ابوالہول کی رُوح

(جاسوسی ناول)

ناشران

مشورہ بک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس 1639۔ دہلی 6

پہلا ایڈیشن ——— جنوری سنہ ۱۹۶۰ء

دوسرا ایڈیشن ——— فروری سنہ ۱۹۶۰ء

POCKET BOOK

ناشران

مشورہ بک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس 1639۔ دہلی 6

قیمت فی کتاب صرف ایک روپیہ

چند الفاظوں میں

کیا کبھی آپ نے ایک ایسے انسان کی داستان
سُنی ہے جسے اگر دسترخوان پر انسانی گوشت
نہیں ملتا تھا تو وہ مارے غصہ کے پاگل ہو جاتا تھا
کیا کبھی آپ نے کسی ایسے انسان کی داستان
سُنی ہے جو کبھی مردہ کر دیا جاتا تھا اور کبھی زندہ۔
اور ان حادثات کے پس پُشت کس کا ہاتھ تھا
وہ آدم خور حبشی کون تھا۔ اور وہ مصری ڈاکٹر کون
تھا جو ایسے کھیل کھیلا کرتا تھا۔ یہ سب جاننے
کے لئے آپ جاسوسی ناولوں کے شہنشاہ اکرم الٰہ آبادی
کا ناول "ابوالہول کی رُوح" کا مطالعہ کیجئے

مشورہ پاکٹ بکس میں شائع ہونے والے تمام کردار
مقامات وواقعات فرضی ہیں۔ اور ان کا کسی
شخص، جگہ، واقعہ یا ادارے سے کوئی تعلق نہیں
ہے۔ کسی فرد مقام یا ادارے سے مطابقت قطعی
اتفاقیہ ہے۔ اور اس کے لئے مصنف یا پبلشرز
کسی طرح کی ذمّہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

نئے مُسافر

اینگلو مصری جہاز راں کمپنی کا جہاز "جبل الطارق" خاموش سمندر کی لہروں پر تیرتا ہُوا جنوبی ہند کے ساحل سے نزدیک ہوتا جارہا تھا۔ جبل الطارق پر سفر کرنے والوں کو "باب الہند" زمین کی گود پہ اُبھری ہُوئی ایک کمان کی طرح نظر آرہا تھا۔ جہاز پر کچھ مُسافر مِصری تھے۔ کچھ عرب، کچھ چینی اور زیادہ تر ہندوستانی جزائر مشرق الہند کے کچھ مُسافر بھی اِس میں سوار تھے۔ جن کی منزلِ مقصود بہرحال ہندوستان نہ تھی اِس لئے دُور سے گیٹ وے آف انڈیا کی جھلک دیکھ کر اُنہیں کوئی خوشی نہیں ہُوئی۔

سرزمینِ وطن کے دیدار سے چمک اُٹھنے والی آنکھوں والے ہندوستانی مُسافر عرشے پر آ کھڑے ہُوئے تھے۔ اور جنہیں اِس مُلک اور اِس کی زمین سے کوئی لگاؤ نہیں بھی تھا وہ بھی تفریحاً عرشے پر آ گئے۔ کیونکہ اِنہیں بہرحال ایک دِن اِس بندرگاہ پر گذارنا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ جہاز ایک کی بجائے دو دِن ٹھہر کر آگے روانہ ہو۔ رفتہ رفتہ جبل الطارق کے مُسافروں کی نظروں میں ساحل ممبئی کے نقوش جو دُور سے سیاہی کے دھبوں کی طرح نظر آرہے تھے پھیلتے چلے گئے اور پھر "باب الہند"

صاف نظر آنے لگا۔ عظمتِ مشرق کا وُہ نشان جو چالیس کروڑ انسانوں کی ایک وسیع و عریض سرزمین میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ تھا۔ وُہ ملک جو مغربی سیاحوں کی نگاہوں میں ہمیشہ پُراسرار رہا ہے اور جہاں کی پُراسرار روایات دُنیا کے ہر کونے میں سُنی جاتی رہی ہیں۔

باب الہند اور بڑا ہوتا گیا اور عروس البلاد بمبئی کی سر بفلک عمارتوں کی چوٹیاں اب صاف نظر آنے لگیں۔ گودی میں اور بھی بہت سے جہاز کھڑے تھے جن کی چمنیاں دُور سے نظر آ رہی تھیں۔ اِن میں سے تجارتی جہاز تو آگے الگزنڈرا ڈاکس پر لگے تھے اور مُسافر بردار غیر مُلکی جہاز سول اسٹیشن (بلارڈ پیئر) پر۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زمین خود جہاز کی طرف پھیلتی بڑھتی چلی آ رہی ہو۔

جہاز کے گودی میں داخل ہو کر پلیٹ فارم پر لگتے ہی سیڑھیاں لگا دی گئیں اور شیڈ میں کھڑے ہُوئے مُسافروں کے رشتہ دار اور ملاقاتی دوڑ پڑے۔ جس طرح ہندوستان کے ریلوے پلیٹ فارموں پر کسی گاڑی کے آنے پر شور برپا ہوتا ہے۔ گودی کا شور کُچھ اِس سے زیادہ ہی تھا۔ کسٹم والوں کی چیخ و پکار مسافروں کی بھاگ دوڑ۔ اِن کے رشتہ داروں اور دوستوں کی ریل پیل۔ اور اِن سب سے زیادہ شور تھا اُن قُلیوں کا جو جہاز سے مسافروں کا سامان اُتارنے کے کام میں مُقابلہ بازی کر رہے تھے۔

سیڑھی کے نزدیک کھڑے ہُوئے کسٹم افیسران کے درمیان ایک سادہ لباس نوجوان سا آدمی بھی کھڑا تھا جو جہاز سے اُترنے والوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی اور چہرے پر گہری سنجیدگی۔ جہاز سے اُترنے والے مُسافر شیڈ کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں مختلف چوکیوں پر کسٹم کے افسران اُنکے سامانوں کی تلاشی لے رہے تھے۔

کسٹم آفیسران کی نظر بھی اُس لڑکی طرف اُٹھ گئیں جو جہاز سے ایک گٹھیلے جسم کے پستہ قد آدمی کے ساتھ اُتر رہی تھی۔ یہ گندمی رنگ کا رعبدار چہرے والا ایک ادھیڑ عُمر کا آدمی تھا جسکے سر کے بال بیچ سے صاف تھے۔ اور چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز سرسری نظر دیکھنے پر وُہ کوئی مغرور قسم کا دولت مند آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی آنکھیں گو چھوٹی تھیں۔ لیکن اِن میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ایک ایسی چمک جو اِس سے نظریں ملانے والے کو مرعوب کئے بغیر نہ رہتی۔ اِس کی شخصیت کافی پُراسرار نظر آتی تھی۔ لیکن اَب لوگوں کی توجہ اِس سے زیادہ اس لڑکی پر مرکوز تھی۔ ایسی حسین شکلیں زِندگی میں اتفاق سے ہی اُن کی نظروں سے گُزری ہوں گی۔ اِس کا رنگ نِکھرا ہُوا اور خدوخال اِتنے حسین تھے کہ وُہ اُسے دیکھتے ہی رہ گئے وُہ زیادہ سے زیادہ بیس بائیس سال کی نیم مشرقی لڑکی نظر آتی تھی۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ اضمحلال بھی رل رہا تھا۔ شاید یہ اُس طویل سمندری سفر کا نتیجہ ہو۔ وُہ ایک زرد رنگ کا اسکرٹ پہنے ہُوئے تھی۔ دُور سے دیکھنے پر اَپنے کُندن جیسے بدن اور زرد رنگ لباس کے امتزاج سے وُہ کوئی چلتی پھرتی "سونے کی مُورتی" معلُوم ہوتی تھی۔ اُس سے کُچھ فاصلے پر پیچھے اِنہیں ایک دیوقامت سیاہ فام حبشی نظر آیا جسکے بدن پر قدیم مِصری طرز کا لباس تھا۔ اس کا بدن گٹھا ہُوا جلد سیاہ اور چمکدار تھی۔ وُہ عام آدمیوں سے قد میں اِتنا اُونچا تھا۔

کہ دُور سے نظر آ سکتا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں میں دو سوٹ کیس تھے شائد وزنی ہی ہوں۔ لیکن وہ اُنہیں اِس طرح لٹکائے تھا جیسے کاغذ کے بنے ہوں۔ سیاہ چہرے پر اُس کی بڑی بڑی آنکھیں ایسے سُفید سُفید دیدوں کے ساتھ بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھیں۔ اُس کے پیچھے دو قلی ایک بڑا سا صندوق اُٹھائے ہُوئے تھے۔ جس کی شکل کسی تابوت کی سی تھی۔ وُہ تقریباً سات فٹ لمبا اور ۲½ فٹ چوڑا اور ڈیڑھ فٹ اُونچا تھا اِس پر باہر کی طرف انگریزی میں لکھا تھا" احتیاط سے اُٹھایا جائے"

اِس لمبے قد آدمی کے انداز ایسے پُروقار تھے کہ آپ سے آپ اُس سے مرعوب ہو کر کسٹم والے کِسی قدر پیچھے ہٹ گئے۔ اور اُس نے جب سامنے والے کسٹم آفیسر سے نظریں مِلائیں تو وُہ اِس سے پاسپورٹ کے متعلق پُوچھنا بھی بھُول گیا۔ بہرحال کسی سوال کی نوبت نہیں آئی اُس نے خُود ہی اپنا پاسپورٹ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

سرسری نظر سے اِن تینوں کے پاسپورٹ دیکھنے کے بعد اُنہیں شیڈ کی طرف جانے کا اِشارہ کر دیا گیا۔ یہاں کسٹم آفیسر سامان کی تلاشی لے رہے تھے اور سُوٹ کیسز کو سرسری نظر سے دیکھنے کے بعد جب وُہ اِس تابُوت نُما صندوق کی طرف متوجہ ہُوئے تو سیاہ فام حبشی سامنے پیر پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے اپنی زبان میں کچھ کہا جسے وُہ لوگ سمجھ نہ سکے۔

"اِس میں مِصر کے ایک اہرام سے نکالی گئی سترھویں فرعون کے ایک خاص خادم کی ممّی ہے....."

وُہ یہ کہہ کر حبشی سے مخاطب ہُوا۔"ہٹ جاؤ اِنہیں اطمینان کر لینے

دو۔ یہ یہاں کا قانون ہے۔

"اوہ ـــــ تو کیا آپ وُہی ڈاکٹر البصری ہیں۔ میرا مطلب ہے مِصر کے مشہور ماہر آثار جنھوں نے مِصرِ قدیم کی تاریخ مرتب کی ہے۔ کسٹم آفیسر اس گفتگو پر چونک کر بولا۔

"شاید ـــــ" پستہ قد آدمی مُسکرایا۔

"میں نے اخباروں میں آپ کی حیرت انگیز دریافتوں کے بارے میں پڑھا ہے۔ زہے نصیب آج نیاز بھی حاصِل ہوگیا"

اُس نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"عزّت افزائی کا شکریہ ـــــ" پستہ قد آدمی نے خفیف سی مُسکراہٹ ہونٹوں پر پیدا کرتے ہُوئے کہا۔

"لیکن میں بہت تھکا ہُوا ہُوں اگر آپ لوگ جلد فرصت دیدیں تو بہتر ہوگا"۔

"ہاں ہاں۔ کیُوں نہیں ـــــ" وُہ آفیسر اِس تابُوت کی طرف بڑھتے ہُوئے بولا۔

حبشی خادِم نے ڈاکٹر کا حُکم پاکر اِس تابُوت کا قُفل کھول دیا۔ اِس کا ڈھکنا جالی دار تھا۔ جو قدیم مِصری دستکاری کا ایک نادر نمُونہ نظر آتا تھا۔

"بہتر ہوگا کہ آپ لوگ ایک ساتھ اِسکا معائنہ کرلیں ورنہ یہاں بھیڑ لگ جائے گی"۔ ڈاکٹر نے گھبرا کر کہا۔ کیُونکہ دوسرے لوگ بھی اِس تابُوت کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

کسٹم آفیسروں نے اِس تابُوت کو گھیرتے ہی حبشی خادم نے اِسکا ڈھکنا کھول دیا۔ سمجھ میں نہ آنے والی انجانی خوشبوُں کا ایک بھبکا سا اُٹھا

اور وُہ پیچھے کی طرف ہٹ گئے۔ اُن کی حیرت زدہ آنکھیں زرد پٹیوں میں لپٹی اندر رکھی ہوُئی ہزاروں سال پُرانی اِس انسانی لاش کو دیکھ رہی تھیں۔ جو آج تک اپنی اصل حالت میں محفوظ تھی۔ ایک عجیب سی دہشت ان پر طاری ہوگئی۔ اس کا چہرہ بھی پٹیوں سے ڈھکا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے خود چہرے کی دو پٹیاں کھول دیں اور وُہ چمکدار نیلگوں روغن میں لپٹے ہوُئے اِس ہزاروں سال پُرانے اِنسانی چہرے کو دیکھ کر کانپ سے اُٹھے۔ اس کی بند آنکھیں جن کے پپوٹے پالش کئے ہوُئے پیتل کے ڈھکنوں کی طرح چمک رہے تھے اور پلکوں کے بال تک مصالحے میں محفوظ تھے۔ اِس کے ساتھ مصر قدیم کی پُراسرار روایات کے یاد آتے ہی اُن کے رُونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"یہ خوُد آپ کی ہی دریافت ہوگی ڈاکٹر ——" کسٹم آفیسر نے اُس کے پاس سے ہٹ کر ڈاکٹر البصری سے پُوچھا ہاں میں نے اِسے سترھویں اہرام سے برآمد کیا ہے۔ ڈاکٹر نے مختصر جواب دیا۔ تابُوت کو حبشی نے پھر مقفل کر دیا۔ لیکن ابھی وہ باہر جانے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ سُرمئی رنگ کے گرم سوٹوں میں ملبُوس دو تندرُست قسم کے دو ہندوستانی اندر داخل ہو کر تیزی سے ڈاکٹر کے قریب پہونچ گئے۔

"ہلو ڈاکٹر ——" اِن میں سے ایک نے ادب سے ڈاکٹر کو مخاطب کیا اور ڈاکٹر چونک پڑا۔

"اتنی دیر ——" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"پاس حاصل کرنے میں دیر ہوگئی۔ ہمیں افسوس ہے"۔ آنے والے نے کہا۔ لیکن ڈاکٹر کے چہرے پر پیدا ہونے والے ناخوشگوار تاثرات اِس جواب سے زائل نہیں ہوُئے۔

اُنھوں نے ڈاکٹر البصری اور اُس کی ساتھی لڑکی اور خادم کی خارجی

دروازے کی طرف رہنمائی کی۔ جاتے جاتے اِس کسٹم آفیسر نے ایک بار پھر ڈاکٹر سے بڑے اشتیاق کے ساتھ ہاتھ ہلایا اور پھر اپنے ساتھیوں سے اِس کا ذکر کرنے لگا
"میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں میری آمد کی کسی کو خبر ہو ـــــ" ڈاکٹر ناخوشگوار لہجے میں اِن میں سے ایک بولا جو بڑے مؤدب انداز سے ساتھ ساتھ چل رہا تھا ـ "تم لوگوں کی حماقت سے مجھے اِس کسٹم آفیسر سے بے تکلف ہونا پڑا۔ اور تم جانتے ہو کہ میں اِسے پسند نہیں کرتا۔"

"ہم شرمندہ ہیں ڈاکٹر ـــ آئندہ کبھی ایسی شکایت آپ کو نہ ہوگی۔"

"باقی انتظامات مکمل ہیں۔"

"قطعی ـــــــ"

باہر ایک لمبی سیاہ رنگ کی ڈاج کار کھڑی تھی جو شاید ان نوواردوں کی ہی تھی ۔

اِس کار کے پیچھے ایک اسٹیشن ویگن تھی۔ اِس تابوت کو اُس اسٹیشن ویگن کے پچھلے حصّے میں رکھ دیا گیا۔ وُہ حبشی خادم اُسی تابوت کے پاس بیٹھا۔ اور ان دو ہندوستانیوں میں سے ایک اسٹیشن ویگن کے اسٹرنگ پر جا بیٹھا دوسرا اُس ڈاج کار کو ڈرائیو کر رہا تھا۔ جس میں ڈاکٹر اور وُہ لڑکی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے ۔ ڈاکٹر کا رویّہ اِس لڑکی کے ساتھ بھی بڑا پُر اسرار تھا۔ کیونکہ نہ تو ابھی تک اُس نے اُس کی طرف ایک نظر دیکھا تھا۔ نہ ہی اِس سے کوئی بات کی تھی ۔ وُہ اِس طرح خاموش تھی جیسے یا تو گونگی ہو۔ یا اُسے لب کشائی کی اجازت ہی نہ ہو

ٹرنر روڈ کا علاقہ پُرسکوُن اور اعلیٰ طبقے کی آبادی پر مشتمل تھا۔ اسلئے یہاں کسی کو کسی سے یہ غرض نہ رہتی تھی کہ وُہ کیا کر رہا ہے۔ اِس کے گھر کون آتا ہے کون جاتا ہے۔ مہذب اور شریف لوگ تھے۔ اِس لئے وُہ قانُون شہریت کا پُورا پُورا لحاظ رکھتے تھے۔ آج بھی جب بلیک ڈاج اپنی معیت میں ایک اسٹیشن ویگن کو لئے وِلا روزینہ کے کمپاؤنڈ میں داخل ہُوئی تو کسی نے نِگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ وِلا روزینہ ایک دومنزلہ عمارت تھی جو کریم کے پودوں والے ایک احاطے سے گھری ہُوئی تھی۔ جس کے کنارے کنارے دیوار کے ساتھ کینر کی باڑھ تھی۔ دروازے پر ایک خاکی وردی والا پٹھان دربان موجُود تھا۔ جس نے اُس کار کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے اُس کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئیں۔

گاڑی سے اُتر کر جب وُہ اِس عمارت کے برآمدے میں داخل ہُوئے تو ایک سیاہ لباس والا معمر آدمی جس کی شکل کسی پُرانے گِدھ سے مشابہ تھی اور جسکے گلے کی کھال تک جھریوں سے لٹک آئی تھی۔ اُن کا استقبال کیا۔ وُہ اِس عُمر میں بھی کافی تندرست اور چاق چوبند معلُوم ہوتا تھا اِس کے سَر کے بال یا تو جھڑ چکے تھے۔ یا پھر وُہ سر گھٹانے کا عادی رہا ہو گا۔ لیکن اِس کا لباس صاف اور بے شکن تھا۔

ڈاکٹر کو دیکھتے ہی وُہ ادب سے جُھک گیا۔ ڈاکٹر نے اُس کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر اپنے ساتھی کی طرف گھوُم کر اُسے استفساریہ نظروں سے

دیکھنے لگا۔

"یہ ہماری ہی طرح آپ کا وفادار ہے پاس۔ اس کے علاوہ یہ گونگا اور بہرہ بھی ہے۔"

اُس آدمی نے ادب سے جواب دیا۔

"اگر اندھا بھی ہوتا تو زیادہ موزوں رہتا۔" ڈاکٹر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ اور اِس پر ایک نظر ڈالتا ہُوا داہنی طرف گھُوم گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی اُن کی رہنمائی کر رہا تھا۔ عمارت اندر سے کئی کمروں میں مشتمل تھی۔ جن کا راستہ ایک دُوسرے سے گُزر کر تھا۔ ڈاکٹر کو ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا جس کی کھڑکیوں میں سادہ سُفید شیشوں والے فریمول کے علاوہ ایسے شٹر بھی لگے ہُوئے تھے جنہیں گرا دینے پر کمرے میں دِن کے وقت شبِ دیجور کی تاریکی پھیل جاتی۔ یہ شٹر گہرے سیاہ شیشوں کے تھے۔

کمرہ ماڈرن قسم کے فرنیچر سے آراستہ تھا اور ایک کونے میں وُہ شیلف بھی رکھے ہُوئے تھے جن میں موٹی موٹی کتابیں ترتیب سے سجی تھیں۔

"یہ آپ کی نشست کا کمرہ ہے اور آرام گاہ اِس کے پیچھے۔" اِن دو ہندوستانیوں میں سے ایک نے بتایا۔

"ٹھیک ہے میں اب غسل کرنا چاہتا ہُوں۔"

"بہتر ہے۔" وُہ آدمی بولا۔ پھر اُس نے بہرے گُونگے آدمی کو کچھ اشارہ کیا اور وُہ سر جُھکا کر باہر نکل گیا۔ اِس کے بعد ہی وُہ لوگ بھی باہر چلے گئے ڈاکٹر نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ لڑکی کمرے کے دروازے میں کھڑی ڈاکٹر کو گھور رہی تھی۔ مگر جیسے ہی ڈاکٹر کی نظروں سے اُس کی نگاہیں ٹکرائیں وُہ تیزی سے

پلٹی اور باہر نکل گئی ۔ ڈاکٹر البصری تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا دروازے کی طرف دیکھتا رہا ۔ پھر آپ اپنا کوٹ اُتارنے لگا ۔

"مچھّر مار سنگھٹن"

آرتھر روڈ کی ایک پُرانی سی بلڈنگ "ہیگڈے نواس" کے نچلے حصّے میں ایک دُوکان پر جو بورڈ لگا ہُوا تھا وُہ قرب و جوار کے لوگوں کے لئے چاہے دلچسپی کا باعث نہ رہ گیا ہو۔ لیکن ہر نئے آدمی کے لئے مضحکہ خیز ضرور تھا۔ اِس پر کسی اناڑی قِسم کے پینٹر سے لکھوایا گیا تھا۔ "ڈی ڈی ٹی انجینئیس جن سیوک مچھّر مار سنگھٹن"۔

یہ دُوکان نہیں بلکہ ایک آفس تھا جس میں دو پُرانی میزوں اور چار کُرسیوں کے علاوہ ایک الماری بھی تھی جس میں ڈی ڈی ٹی کے پمپ اور اسپرے گنز بھری رہتیں۔ ایک طرف دیوار میں ایک طرف شیلف لگائے گئے تھے جن پر ڈی ڈی ٹی کے خالی یا بھرے ہُوئے ڈبّے رکھے رہتے تھے۔ اور باقی دیواروں پر کچھ عجیب اور مختلف قسم کے پوسٹر لگے ہُوئے تھے مثلاً

(۱) "مچھّر انسانیت کے سب سے بڑے دُشمن ہیں"۔

(۲) "مچھّروں کے خِلاف جہاد کرنا داخلِ ثواب ہے"۔

(۳) "مچھّروں سے وفا کی کیا اُمید۔ یہ نہیں جانتے وفا کیا ہے"۔

اِس لئے اُپنے مٹکوں غسل خانوں اور کچرہ گھروں میں مچھر مت پالئے "۔

(۴) "انسان اور مچھر کا کوئی سمبندھ نہیں۔ اِن سے ہمیشہ دُور رہیئے"۔

(۵) "ڈی ڈی ٹی دُنیا کی سب سے بڑی بندوق ہے جسکے ایک فائر سے آپ کے ہزار دُشمن مرتے ہیں"۔

(۶) "صرف مچھر ہی نہیں۔ اِن کے انڈے بچے بھی آدمی کی نسل سے بغض رکھتے ہیں"۔

(۷) لاکھ مروت کیجئے مچھر کی دُم ہمیشہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہتی ہے اِس لئے مروت مت کیجئے"۔

(۸) آپ اگر ایک شریف آدمی ہیں تو مچھروں کی حجامت آپ کا قومی فرض ہے"۔

(۹) "قوم کے سپوتوں کو جان ہتھیلی پر رکھ کر مچھروں کے مقابلے میں ڈٹ جانا چاہیئے۔

(۱۰) "ڈی ڈی ٹی خادم قوم۔ ڈی ڈی ٹی دُشمن مچھر۔ ڈی۔ ڈی ٹی زندہ باد مچھر مُردہ باد"۔

یہ کچھ اِس قسم کی عبارتیں تھیں جو اِن پوسٹروں کے نیچے لکھی گئی تھیں اور بھولے بھٹکے اِس دفتر میں آپہنچنے والے ہر شخص کا دماغ یا تو اُن کو پڑھ کر خراب ہو سکتا تھا۔ یا وُہ اِس دفتر کے چلانے والوں کی دماغی صحت پر شبہ کرنے لگتا۔ بہرحال اِس علاقے کے لوگ تو اِن ڈی ڈی ٹی ایجنٹوں کو برداشت کر چکے تھے۔ مگر اور دوسرے علاقوں کے لوگ اِدھر بہت کم آتے تھے۔ اِس دفتر کو کھلے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن اُپنی اِن کارگزاریوں کی وجہ سے یہ مشہور ضرور ہو گیا

تھا۔ شروع شروع میں اِس کے دو والنٹیر ڈی ڈی ٹی کے اسپرے پمپ لے کر رہتی بلڈنگوں میں گھس جاتے تھے ۔ اور فلیٹوں، کمروں۔ کچرے ڈرموں اور کونے کونے میں ڈی ڈی ٹی چھڑکنے کے بعد وہاں اُپنے "مچھر مار سنگھٹن" کی سلپ چپکا دیا کرتے تھے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت گواہی دے کہ ڈی ڈی ٹی کے رضا کاروں نے یہاں خدمتِ خلق انجام دی ہے ۔ عام طور پر لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ بھی ڈی ڈی ٹی بنانے والی فرم کا ایک پبلسٹی اسٹنٹ ہے ۔ لیکن شروع میں اِس کا ردِّ عمل یہ ضرور ہُوا تھا کہ اِس آفس سے ڈی ڈی ٹی کے بہت سے ڈبّے بِک گئے تھے ۔ پھر بعد میں یا تو مچھروں کے خلاف لوگوں کا جوش جہاد سرد پڑ گیا یا وُہ شاید مچھر پروُف ہو گئے ہوں بہر حال اِس آفس میں بیٹھنے والے دونوں کارکُن اَب مچھروں کی بجائے دِن دِن بھر مکھیاں مارتے نظر آیا کرتے تھے ۔ اِس دُکان کا ایک اصُول اور تھا کہ اِن کے پاس ہر دن سے متعلق تفصیلات کی تختیاں تھیں ۔ مثلاً "اتوار کو دفتر بند رہے گا" "پیر کو دفتر بند رہے گا" منگل کو .... اور ہفتے میں اچانک کسی دِن بھی دفتر بند پایا جاتا اور باہر تختی لٹکی ہوتی "آج (دن کا نام) دفتر بند رہے گا۔ کبھی کبھی یہ تختیاں ایک ہفتہ میں دو دو تین تین بار لٹکا دی جایا کرتی تھیں ۔ اور کوئی اِس پر توجہ بھی کرتا تو اُس پاس کے لوگ کہہ دیتے ۔

"وُہ تو سدا بہار مچھر مار ہیں ۔ جب جی چاہا جب چُھٹی ۔"

اِس دفتر کا عملہ یُوں تو صِرف دو افراد پر مشتمل تھا ۔ لیکن کبھی ایک تیسرا بھی معائنہ کرنے آجایا کرتا تھا اور اُس وقت یہ تین ہو جاتے تھے ۔ بہر حال مستقلاً رہنے والے دو افراد میں سے ایک گورے رنگ تیس نتیں سال کا اکہرے بدن کا جوان آدمی تھا ۔ جو دیکھنے میں تو بڑا پھرتیلا نظر آتا ۔ مگر اُسے ہمیشہ اُونگھتا ہی دیکھا گیا تھا ۔ وُہ ہمیشہ ایک زرد رنگ کا سُوٹ یا صِرف قمیص پتلون پہن کر آیا کرتا تھا ۔ اِسکے چہرے پر

کبھی تو اتنا بھولاپن برستا نظر آتا جیسے کہ ابھی ماں کی گود سے اُٹھ کر آیا ہے۔ اور کبھی کچھ ایسی شرارت کے تاثرات نظر آتے جیسے اِسکول سے بھاگ کر کوئی لڑکا وقت گزار رہا ہو۔ ویسے خاصا خوبصورت اور تندرست نظر آتا تھا۔ اِسے چیونگ گم چباتے رہنے کی عادت تھی۔ اور اِس وقت جب اِس پرانی کرسی پر بیٹھ وہ ٹانگیں میز پر پھیلائے آنکھیں بند کئے آج تک شہید کئے گئے مچھروں کی تعداد گنتا ہوتا اُس وقت بھی اُس کا منہ چیونگ گم سے جگالی کرتا رہتا۔ اِس کی آنکھیں چھوٹی مگر چمکدار تھیں اور پیشانی چوڑی تھیں اِس کے برعکس اِس کا دوسرا ساتھی ایک موٹا سا بھدا سا تقریباً تیس سالہ جوان تھا وہ پہلی نظر میں ہی ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی بچہ "ڈومیکس کے ڈبے کا دودھ" کا مقابلہ جیت کر بیٹھا ہو۔ اُس کی آنکھیں بڑی بڑی اور جبڑے لٹکے ہوئے تھے۔ وہ خاصہ گول مٹول نظر آتا تھا۔ اسکا ساتھی اُسے "فٹ بال" کے نام سے پکارتا تھا۔ تیسرا جو کبھی کبھی آتا تھا ایک بھاری تن و توش کا آدمی تھا وہ اُسے جیک کے نام سے پکارتے تھے۔ حالانکہ وہ کوئی ہندوستانی ہی تھا وہ جب بھی آتا اچانک ہی آتا تھا اور اسطرح کچھ دیر ٹھہر کر چلا جاتا تھا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ وہ انکی فرم کا منیجر ہے جو کبھی کبھی معائنہ کیلئے آجاتا ہے۔ اِس کھلے رنگ کے جوان آدمی کو موٹا ساتھی "کن ٹاٹ" کہا کرتا تھا اور ان ناموں کے علاوہ کسی قسم کے نام اِنکے درمیان کبھی نہیں سُنے جاتے تھے۔ وہ جب آپس میں باتیں کرنے بیٹھتے تو باتیں ہی کرتے چلے جاتے اور خاموشی ہوتی تو دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر اونگھتے رہتے۔ جیسے کہ ایک دوسرے سے لڑ کر بیٹھے ہوں۔ ایک اور مزے کی بات یہ بھی تھی۔ اس آفس میں ایک ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ پرانا سا سٹ جیسے کسی کباڑخانے سے اُٹھا لائے ہوں اور اِسے دیکھ کر یہی شبہ ہوتا کہ محض دکھاوے کے لئے رکھا گیا ہو۔

اِس وقت بھی وہ دونوں ہی موجود تھے۔ نوجوان ساتھی اپنی کرسی پر اِس کے تکئے سے ٹکا ہوا میز پر دونوں پیر پھیلائے بیٹھا تھا۔

گن شاٹ۔" یہ تو بڑی بورنگ سروس ہے۔" موٹا آدمی اُونگھتے اُونگھتے نیم وا آنکھیں کھول کر بولا۔

"ہُم ـــــ" اِس کے ساتھی نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"میں کہتا ہُوں۔ یہ حرام خوری ہے یا حلال خوری۔" موٹا آدمی پھر بڑبڑایا۔

"اپنی اوقات کے مطابق جس طرح چاہو سمجھ لو۔" ساتھی نے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں جوڑ کر کہا۔

"میں تو اِن دنوں اپنا وزن کم کرنے کی فکر میں ہُوں۔"

"کسی سے عشق فرما لو۔ نِصف بھی رہ گئے تو میرا ذمہ۔"

"لعنت ہے تُم پر ـــ بھلا اِس ڈیل ڈول پر کون گدھی عاشق ہوگی"

"جی عِشق فرمانے کو کہہ رہا ہُوں۔ معشوق بننے کو نہیں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا تھا۔ میرا وزن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اَور ہنستے ہنستے تو یہ اَور زیادہ ......" وُہ کہتے کہتے رُک گیا۔

"تو کھڑے کھڑے اُونگھا کرو ـــ اَور زیادہ فکر ہے تو جاؤ سڑک پر سوگرز کے علاقے پر لفٹ رائٹ کرو ـــــــ"

"میں پُوچھتا ہُوں آخر یہ نوکری ہے یا تضیع اوقات ـ"

"مائی ڈیئر فٹ بالی ـ سو دِن سُنار کے اَور ایک دِن لوہار کا معاملہ ہے یہاں ـــــ"

"مَیں سمجھا نہیں ـــــــ"

"موٹی عقل میں ذیلی باتیں دیر سے آیا کرتی ہیں ـــ"

"تُم سے بات کرنا مُصیبت ہے ـــ"

"اے فٹ بال اپنی بستی میں پھِر تو آج کل بہت بڑھ گئے ہوں گے۔

کمبخت افزائشِ نسل میں چینیوں سے بھی دو ہاتھ آگے واقع ہُوئے ہیں۔"

"جہنم میں جائیں تمہارے مچھّر اور ——"

لیکن بات پُوری نہیں ہو پائی تھی کہ اِس پُرانے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی

"فٹ بال — اُٹھاؤ فون ——"

"تُم اُٹھاؤ — مجھے سُستی آتی ہے۔"

"نہیں تُم ہی اُٹھاؤ — میں پیر پھیلا چکا ہُوں۔"

"میں بھی آرام میں ہُوں۔"

گھنٹی بجتی رہی — آخر گن شاٹ نے بڑے آرام سے میز سے پاؤں اُٹھا کر ٹیلی فون کا رِسیور اُٹھایا۔ پھر اُس کی بند ہُوئی ہُوئی آنکھیں پھیل گئیں اور چہرے پر تھکن کی جگہ تازگی دوڑنے لگی۔

"یس جیک —— او کے ——" وُہ سر ہلانے لگا — بالکل آج ہی۔

— ہاں ہاں۔ اَبھی —— آرڈر —— یہ کہہ کر اُس نے رسیور رکھ دیا۔ اور موٹے ساتھی کی طرف دیکھ کر مُسکرانے لگا۔

"کیُوں — کیا بات ہُوئی ——"

"تُم کام مانگ رہے تھے نا —— اچھا چلو۔" وُہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"کہاں ——؟ موٹے آدمی نے پوچھا۔

"ڈی ڈی ٹی چھڑکنے ——"

"لاحول ولا قوۃ —— یہ کیا حماقت ہے —"

"آرڈر۔ از۔ آرڈر —— چلو نکالو اسپرے گن — جلدی —"

"یعنی اَبھی — اسی وقت ——"

"بالکل بلکہ اِسی منٹ — اِسی سیکنڈ —"

"اگر تنخواہ معقول نہ ہوتی تو میں اِس نامعقول کام پر ہزار بار لعنت بھیجتا۔" موٹا آدمی بڑبڑاتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"یہ کام خود تم پر دس ہزار بار لعنت بھیج سکتا ہے"۔

موٹے آدمی نے بڑبڑاتے ہُوئے الماری سے اسپیرے گن نکال لی اور ایک ڈی ڈی ٹی کا ٹن اور خالی بالٹی ہاتھ میں تھام کر دروازے کی طرف چل پڑا۔

کچھ دیر بعد اُن کی بیس سال پُرانے ماڈل کی فورڈ جسے مقامی اصطلاح میں "کھٹارا" کہا جاتا تھا سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے چور بازار کے کسی کباڑی کی دوکان سے مختلف ناکارہ حصے خرید کر اُسے تیار کیا گیا ہو۔

"جسے کھانا ہضم نہ ہوتا ہو وُہ ہماری اِس کیڈلاک میں صرف دس منٹ سفر کرلے۔ خُدا نے چاہا تو اُس کی آنتوں کا کچھرہ تک ہضم ہو جائے گا" موٹا ساتھی اُس کے دھچکوں سے تنگ آکر بڑبڑانے لگا۔

"جانتے ہو۔ اِس سال میں اِسے نمائش میں رکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں"

"خود بھی اِسی کے ساتھ نمائش میں رکھ دیئے جاؤ تو شاید پرائز مِل جائے"

"خیر اس تجویز پر بھی غور کیا جائے گا۔" نوجوان ساتھی لاپرواہی سے سر کو جھٹک کر بولا۔

"مگر ہم چل کہاں رہے ہیں؟"

"اپنی ڈیوٹی دینے۔ اور ظاہر ہے کہ ڈیوٹی پر تمہیں یہ پُوچھنے کا حق نہیں ہے"

"میری بلا سے" موٹا آدمی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اُس نے منہ ایسا بنالیا تھا جیسے ناراض ہو گیا ہو۔

اُن کی کار جس عمارت کے کمپاؤنڈ کے دروازے پر رُکی وُہ سُونی سُونی

سی نظر آتی تھی۔ لیکن اتفاق سے اُس کا پھاٹک اُسوقت کھلا ہُوا تھا۔ نوجوان ساتھی نے کار دروازے پر روک دی اور موٹے ساتھی کو نزکر دروازہ کھولنا پڑا۔ لیکن اُن کی کار جیسے ہی اندر داخل ہُوئی ایک قدرے آور سیاہ فام حبشی نے اُن کا راستہ روک لیا۔

"گن شاٹ۔ تم نے امریکن بُل (بھینسے) دیکھے ہیں۔" موٹے آدمی نے اُس کی طرف اشارہ کر کے ساتھی سے پُوچھا۔

"مگر یہ افریقیں معلُوم ہوتا ہے۔" نوجوان نے یہ کہہ کر دہیا گاڑی روک دی۔ سیاہ فام حبشی اُن کے قریب آگیا۔ اُس کے چہرے پر درشتی اور غیض کے آثار تھے۔

"تم اندر کیسے آئے۔ کیوں آئے۔ کس سے پُوچھ کر آئے۔" اُس نے ٹوٹی ہُوئی انگریزی میں اُن سے ایک ساتھ تین سوال کر ڈالے۔ اِس کا لہجہ نفرت آمیز تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ اِن تین سوالوں میں سے پہلے کس سوال کا جواب دیا جائے۔" نوجوان آدمی نے لاپرواہی سے اسٹیرنگ پر ہاتھ ٹیکتے ہوئے پُوچھا۔

"میرا خیال ہے تینوں کا جواب دے ڈالو۔ میزبان کا مُوڈ اچھا نہیں معلُوم ہوتا۔" موٹا ساتھی بول اُٹھا۔

"تو سنو۔ ہم اُس دروازے سے آئے ہیں۔ نسل انسانی کو ایک خطرہ عظیم سے بچانے آئے ہیں۔ رہا پُوچھ کے آنے کا سوال تو اوّل تو نیک کام میں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرے نو ایڈمشن ود آؤٹ پرمشن کا مقولہ ہی غلط ہے۔ اندر آئے بغیر آدمی اجازت ہی کیسے لے سکتا ہے۔" نوجوان ساتھی خوش گوار مُوڈ میں بولا۔

"کیا کام ہے۔؟"

"ہمارا کام انسان کے سب سے بڑے دُشمن کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ ہم "جن سیوک مچھر مار سنگھٹن" کے نمائندے ہیں اور یہ ہمارے فرائض میں داخل ہے کہ جنتا کی بھلائی کے لئے ہر گھر کو مچھر دل سے صاف کرتے پھریں۔—————"

"کیا یہ ضروری ہے —" حبشی نے بگڑے ہُوے لہجے میں سوال کیا۔

"قطعی ضروری ہے۔ اِتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ آدمی کو زندہ رہنا۔—————"

"تم سرکاری آدمی ہو۔" حبشی نے پُوچھا۔

"اِس دیس میں جنتا کی سرکار ہے۔ اِس لئے ہم بھی سرکاری ہیں۔ ویسے ہم ڈی ڈی ٹی کے ایجنٹس ہیں۔" نوجوان آدمی نے بڑے اطمینان سے اپنی نشست پر پھیلتے ہُوئے اُسے جواب دیا۔

میری کُچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ خیر تم برآمدے میں ٹھہرو میں اپنے باس سے پُوچھتا ہُوں۔"

حبشی نے اُنہیں برآمدے کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود عمارت کے اندر چلا گیا۔ مگر دو منٹ بعد جب وُہ واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ "مچھر مار سنگھٹن" کے یہ ایماندار رضاکار بڑی فرض شناسی کے ساتھ برآمدے کے پیچھے۔ روش کے دونوں طرف اسپرے گن سے ڈی ڈی ٹی فنائل اور پانی کا مشترک سیال چھڑکنے میں مصروف تھے۔ وُہ ان کے قریب آگیا۔

"چلو اندر بلایا جا رہا ہے تمہیں۔" حبشی نے قریب آکر کہا۔—————

"اوہو—بھلا یہ عزّت اُفزائی کیُوں۔ ہم تو صرف اپنا کام کرنے

ہیں ـــــــــ"

نوجوان ساتھی موٹے آدمی کو آنکھ سے کچھ اشارہ کرتے ہوئے جلبشی سے بولا "میں تو اس نوکری سے تنگ آ گیا ہوں" پھر وہ دونوں اپنی امپیرے گن اور بالٹی وہیں چھوڑ کر اُس کے پیچھے ہو لئے۔

وہ انہیں برآمدے کی راہ سے ایک آراستہ کمرے میں لے گیا۔ جہاں کوئی نہ تھا۔ البتہ فرنیچر قرینے سے لگا ہوا تھا ـــــــــ

"یہاں بیٹھو۔" اُس نے بھاری آواز میں کہا اور اندر چلا گیا۔

ابھی بمشکل ایک منٹ ہی گذرا ہو گا۔ کہ داہنی سمت کے دروازے کا باریک پردہ ہلا اور اُن کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ حسن کی اگر کوئی تمثیل ہو سکتی تھی تو وہ تھی۔ سراپا قیامت اور اُس کے سُرخ و سفید سڈول جسم پر سُرخ سایہ تو اُسے اور شعلۂ جوالا بنائے دے رہا تھا۔

وہ سیدھی اِن کی طرف ہی آئی اور وہ بوکھلا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"فرمائیے۔ آپ لوگوں نے کیوں تکلیف کی؟" اُس نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ پھر خود بھی اُن کے سامنے بیٹھ گئی۔ نوجوان جلبشی کا موٹا ساتھی اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر البصری کی سیکرٹری ہوں۔ لیکن پہلے سے یہ بتا دینا شاید بہتر ہو گا کہ ڈاکٹر کسی سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے۔ وہ ویسے بھی بہت مصروف ہیں ـــــــــ"

"محترمہ۔ ہم بھی کچھ کم مصروف نہیں۔ لیکن ہم یہاں کسی ڈاکٹر وغیرہ سے ملنے نہیں آئے۔" نوجوان آدمی نے سادگی سے کہا۔

"تو پھر ـــ؟" وہ باری باری سوالیہ نظروں سے اُن کی صورتیں دیکھنے لگی۔

"ہم تو یہاں صرف مچھر مارنے آئے ہیں جو ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ علم صحت کے اصول سے مچھر اور حضرت آدم ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ورنہ دونوں میں سے ایک کو ضرور ملیریا ہو سکتا ہے۔" موٹا ساتھی کچھ بولنے کی خواہش میں بول چلا۔

"آپ دبیغیں قسم کے احمق ہیں۔" نوجوان ساتھی نے اُسے ڈانٹا۔ "ملیریا صرف آدمیوں کو ہو سکتا ہے۔ مچھروں کو نہیں ——————"

"جہنم میں جائیں تمہارے ڈی ڈی ٹی کے فلسفے" موٹا آدمی جھلا کر یہ کہتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

"آپ لوگوں کے پاس کوئی سند یا سرکاری اجازت نامہ ہے؟"

لڑکی نے نوجوان اجنبی سے سوال کیا۔ جس پر وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"ہے کیوں نہیں۔ لیجئے" داہنی جیب سے ایک شناختی کارڈ نکال کر سامنے کر دیا۔ اس کاغذ کے کور پر ڈی ڈی ٹی مچھر مار سنگھٹن چھپا ہوا تھا۔ اندر ایجنٹ کا نام اور پتہ وغیرہ اور اس کے نیچے مقامی ہیلتھ آفیسر کے دستخط کے ساتھ یہ اجازت نامہ تھا کہ مچھر مارنے کیلئے یہ ایجنٹ ہر مکان ہر علاقے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ قوانین صحت کے تحت اِن کے کام میں کوئی مداخلت نہ کیجئے۔

"اوہ ــ" وہ پڑھ کر مسکرائی۔ "مگر ہماری اس قیام گاہ میں مچھر تو نہیں ہیں"

"آپ کو شاید علم نہ ہوگا کہ مچھر ان دنوں انسان سے زیادہ چالاک ہو گئے ہیں۔ وہ اب چھپ چھپ کر حملے کرنے لگے ہیں۔ ان کی اِن ہی کارگزاریوں سے ہمارے یہاں ملیریا کی فصل بے موسم کے آثار ہونے لگی ہے ——————"

"آپ مچھروں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی اور اُس کے موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے۔

"جی۔ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ مطلب ہے کہ میں مچھروں کا اسپیشلسٹ ہوں۔ میں نے کئی سال اِن کے اطوار و خصائل پر ریسرچ کیا

ہے"۔ نوجوان اجنبی نے سادگی سے کہا۔

"تب تو آپ کو مچھروں کا ماہرِ نفسیات کہنا بے جا نہ ہوگا"۔ اس نے
س کا مضحکہ اُڑایا۔

"اس عزت افزائی کا شکریہ۔ لیکن ہمیں اب اپنا کام کرنے دیجئے"

"اندر تو سارے کمرے صاف ستھرے ہیں آپ باہر چاہیں تو مچھروں
سے میاں خود ملاقات فرمائیے"۔ وہ یہ کہہ کر اُٹھنے لگی

"ہمیں ہر مکان کی رپورٹ دینی پڑتی ہے۔ اسلئے اگر اندر مچھر نہ
بھی ہوں گے تو ہمارا ایک بار معائنہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہم ایمانداری سے
رپورٹ دے سکیں"۔ نوجوانوں نے بھی کھڑے ہوتے ہوئے کہا

"خیر جب آپ کے پاس اس کا اجازت نامہ ہی ہے تو کون روکے گا۔
ایسے دو منٹ ٹھہر جائیے۔ میں اپنے پاپا سے اجازت لے لوں"۔ اس نے
نرم لہجے میں کہا

"کیوں نہیں، کیوں نہیں"۔ موٹے ساتھی نے جلدی سے دانت نکالتے
ہوئے گردن ہلادی

"دیکھئے۔ ڈاکٹر صاحب سے یہ بھی کہہ دیجئے گا کہ یہ ہندوستان کے مچھر ہیں جو آدمی
کا خون چوسنے میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کی ٹکر لیتے ہیں۔ اس لئے ان پر رحم
نہ کیا جائے"۔ نوجوان نے گویا اس سے درخواست کی۔ وہ اُسے مسکراتی نظروں
سے پلٹ کر دیکھنے لگی۔ مگر اس اجنبی کی شکل پر تو اس وقت ایسا بھولا پن برس
رہا تھا جیسے وہ پیدائشی احمق واقع ہوا ہو۔ بہرحال وہ کوئی جواب دیے
بغیر اندر چلی گئی۔ اور تب وہ چند منٹ گزار کر لوٹی تو وہ دونوں اُسے دیکھ کر
پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ شوق سے کمروں کا معائنہ کریں اور جہاں ضرورت سمجھیں پھر ماریں۔" لڑکی نے کہا۔

اور کمرے سے نکل گئی۔ لیکن اس کے جاتے ہی وہ سیاہ فام حبشی اندر آپہنچا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لوہے کی سلاخ تھی اور آنکھوں سے خونخواری برس رہی تھی۔

چلو۔ دیکھو کمرے۔ اس نے نفرت انگیز نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ اور ان کی رہنمائی کرنے لگا۔

سرسری نظر سے انھوں نے تمام کمرے دیکھ ڈالے۔ لیکن انہیں وہ کمرہ دیکھنے کی اجازت نہ دی گئی جو ڈاکٹر البصری کی نشست گاہ تھی۔ ایک کمرے میں رکھے ہوئے اس قدیم مصری تابوت کو دیکھ کر فربہ اندام اجنبی رک گیا۔

"اے گن شاٹ۔ کیا یہ مقبرہ ہے کسی کا۔" اس نے ساتھی کو متوجہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"شاید تمہارا ہی ہو سکے۔ مگر کمبخت تم تو جنگلی بھینسے کی طرح موٹے ہو۔" ساتھی نے لاپرواہی سے کہا۔ اور پھر اس تابوت کو چھو کر دیکھنے لگا۔

"اسے ہاتھ مت لگاؤ۔" حبشی نے جوان کے ساتھ تھا بگڑ کر کہا۔

"کیوں۔؟ کیا کوئی خطرناک چیز ہے اس میں۔" نوجوان اجنبی نے سوال کیا۔

"اس میں فرعونِ مصر کے ایک خادم کی ممی ہے۔" حبشی نے اسی اکھڑے ہوئے لہجہ میں بتایا۔

"صرف ممی۔" موٹے ساتھی نے چونک کر پوچھا۔ "اور ڈیڈی کا کیا ہوا۔"
لیکن اس کے یہ الفاظ سیاہ فام آدمی کو ناگوار گذرے۔ وہ نوجوان اجنبی

سے کہنے لگا۔

"اپنے ساتھی کو سمجھاؤ۔ ورنہ میرا غصّہ مشکل سے قابو میں آتا ہے۔"

"اوہ نہیں ۔ اس نے کبھی کوئی ممی نہیں دیکھی اور پھر تھوڑا سا احمق بھی ہے۔" نوجوان اجنبی خود اس سیاہ فام آدمی کو ہی سمجھانے لگا۔

لیکن وہ اسی وقت یہ دیکھ کر چونک پڑے کہ کوئی انہیں اس کمرے کے دروازے پر کھڑا گھور رہا ہے۔ یہ ایک پستہ قامد رشت سی شکل کا آدمی تھا۔ جو اس وقت سیاہ سلک کا گون پہنے ہوئے تھا۔ اسپر نظر پڑتے ہی ادب سے جھک گیا۔

"اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس نے ان دونوں کو مخاطب کیا اور ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر دروازہ کے پیچھے غائب ہو گیا۔ انھوں نے دیکھا۔ اسکے جانے کے بعد وہ سیاہ فام حبشی انہیں اس طرح گھور رہا تھا کہ اگر وہ فوراً یہاں سے کھسک نہ گئے تو وہ ان کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دے گا۔

"جاتے ہیں بھائی جاتے ہیں۔ مگر ہمارے فارم پر دستخط کون کرے گا؟"

"کیسے دستخط؟"

"یہی کہ ہم نے اس مکان کا معائنہ کیا اور ہر جگہ ڈی ڈی ٹی چھڑک کر ہزاروں لاکھوں مچھر مارے۔" نوجوان اجنبی سادگی سے بولا۔ وہ اسکے پیچھے باہر آتے ہوئے بولا۔

"کوئی نہیں کرے گا دستخط وغیرہ۔"

"یار اتنے طاقتور آدمی ہو کر اتنے بے رحم ہو۔ ارے یہ ہماری روزی کا سوال ہے۔ ہمارے بیوی بچے بھوکے مر جائینگے۔ اور ان کی روحیں تمہیں بددعا دینگی کہ خدا کرے نمرود کی طرح تمہاری ناک میں بھی ایک عدد مچھر گھس جائے۔" موٹا ساتھی اسے جھنجلا کر کوسنے والے انداز سے بولا جس پر اس بھدے سیاہ فام آدمی کو نہ جانے کیوں ہنسی آ گئی۔

"اچھا لاؤ میں کر دیتا ہوں دستخط۔"

"بُرا نہ ماننا ڈیر رستم زماں ۔ اِس پر مالک یا اُس کے سیکرٹری کے ہی دستخط ہونے چاہئیں ۔ ورنہ کمپنی اِسے ہمارا جُھوٹ سمجھے گی ۔" نوجوان آدمی اُسے سمجھانے لگے۔

"اچھا تم یہاں برآمدے میں ٹھہرو ۔ میں باس کی سیکرٹری کو بُلاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا ۔ اِنہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا ۔ وُہی چلتی پھرتی قیامت چند منٹ بعد پھر اُن کے سامنے آ کھڑی ہُوئی اور موٹا آدمی اُسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا ۔ جیسے اُس کا بس چلے تو یہیں اُس کا فرادا پر اپنی جان قربان کر دے ۔

"کیا ہے ۔۔؟" اُس نے آتے ہی نوجوان اجنبی سے بگڑے ہُوئے لہجے میں سوال کیا

"اِس کاغذ پر ذرا اپنے دستِ نازک سے دستخط فرمادیں بڑی عنایت ہوگی"

"مگر کیوں ۔"

"تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے کہ ہم نے آپ کی خدمت کی ہے"۔

"اوہ ۔۔ کیا یہ ضروری ہے ۔"

"ضروری تو یہ ہے کہ ہیں دُوسری بار کھٹملوں کی دوا چھڑکنے آؤں ۔ آپکو شاید اِس کا عِلم نہیں کہ ہندوستان میں کھٹملوں کی پیدائش ایک قومی مسئلہ ہے"۔

"کیا مطلب ۔۔؟" وہ اُسے غور سے دیکھنے لگی ۔

شاید آپ نے سُنا ہو گا کہ ہر انسان کے ساتھ صرف ایک شیطان پیدا ہُوا کرتا ہے ۔۔ لیکن ہندوستان میں ہر انسان کے ساتھ دس ہزار کھٹمل پیدا ہوتے ہیں ۔۔ نوجوان اجنبی نے اِتنی موضوعیت سے کہا کہ اُسکے ساتھی کو رُخ پھیر کر اپنی ہنسی چُھپانی پڑی ۔

"آپ تو اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہیں ۔ تعجب ہے کہ آپ کو اِس قسم کے کاموں سے دلچسپی ہے ۔" وہ اس سے کسی قدر بے تکلف ہوتے ہُوئے بولی ۔

"ہائے آپ اسے دلچسپی کہتی ہیں۔ محترمہ یہ تو ایک قومی خدمت ہے۔ کاش آپ جان سکتیں کہ میں انسانیت کا کتنا بڑا خادم ہُوں۔ میرے دل میں ان بے گناہ تندرست لوگوں کے لئے کتنا درد ہے جن کا خون یہ کھٹمل اس بے دردی سے پیتے ہیں جیسے وُہ ان کے باپ کا مال ہوں۔"

"اوہو۔ آپ تو واقعی انسانیت کے بڑے ہمدرد ہیں۔"

"جی۔ ویسے تو مہاتما گاندھی کے بعد ایک میں ہی واقع ہُوا ہُوں اس سرزمین پر۔ وُہ اہنسا کے پرچارک تھے لیکن میں ......"

"بس بس ۔ یہ رہا آپ کا فارم۔ اب آپ تشریف لیجا سکتے ہیں۔" اُس نے دستخط کر کے وُہ فارم نوجوان اجنبی کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ شکریہ ۔" وُہ اُسے جیب میں رکھتے ہُوئے بولا۔ "کاش کہ میں کوئی شاندار آدمی ہوتا تو یہ ضرور کہتا کہ خدا نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی۔"

"کیوں ۔" لڑکی مسکرادی۔

"کون کمبخت ہوگا جو آپ سے ایک بار مِل کر دوسری بار ملنے کی تمنا نہ کرے۔

"میڈم ۔ باس ۔ اچانک سیاہ فام آدمی بیچ میں دخل دیتے ہُوئے بولا۔ اس مداخلت پر لڑکی کچھ سٹ پٹا سی گئی۔ تیزی سے پلٹی۔ اور اندر چلی گئی۔

"اُٹھاؤ بھئی اپنا بوریا بستر۔" نوجوان اجنبی نے اپنے ساتھی سے کہا۔ پھر وُہ دونوں اپنا سامان سمیٹ برآمدے سے اُتر آئے۔ اُن کی کھٹارا کار باہر موجود تھی۔ جِسکے شور سے کچھ دیر کے لئے اس ویران احاطے کا سناٹا گونج اُٹھا۔

"مردہ قیدی"

وہ جب اندر داخل ہوئی تو پستہ قد ڈاکٹر البصری کی خونخوار نگاہوں سے نگاہیں ٹکراتے ہی اُسے لرزہ سا آگیا۔ اِن آنکھوں کی تاب بڑے بڑے نہ لا سکتے تھے۔ اُس کی کیا مجال تھی۔ اِن سُرخ آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش ایک عجیب سا رعب اور ایک عجیب سی سحرانگیز کیفیت تھی۔ اِس سے نظریں ملاتے ہی لوگ مرعوب ہو جایا کرتے تھے۔

"یہاں آؤ۔" اُس نے اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا اور وہ سہمی ہُوئی سی قریب آگئی۔

"کیا میں نے تمہیں اِن ہندوستانیوں سے بے تکلف ہونے کی اجازت دی تھی۔؟" اُس نے دھیمے مگر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"وہ خود ہی بہت باتونی آدمی تھے۔" لڑکی نے بیزار سی آواز میں جواب دیا۔

"بلا ضرورت گفتگو مجھے پسند نہیں ہے۔" ڈاکٹر البصری نے اُسے تنبیہ کی۔

"لیکن بلا ضرورت سختی مجھے بھی پسند نہیں ہے۔" وُہ جرأت کر کے کہہ گئی اور ڈاکٹر کی شکل دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر کے چہرے پر اس وقت کسی قسم کے تاثرات نہ تھے۔ وُہ چند سیکنڈ تک لڑکی کو دیکھتا رہا۔ پھر گونجی سی آواز میں بولا۔

"تمہارا کام جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔ ہندوستان سے واپسی پر تم آزاد ہو گی۔"

"لیکن مجھے ڈر ہے کہ سُہیل ختم ہو چکا ہے۔" لڑکی نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ تمہیں ڈاکٹر البصری پر بھروسہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر کے ہونٹوں پر خوفناک سی مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "آؤ میرے ساتھ۔" وُہ عقبی دروازے کی طرف چلنے لگا اور وُہ خموشی سے اُس کے پیچھے ہو لی۔

وُہ دو مختلف کمروں سے گزر کر جب عقبی کمرے میں داخل ہوئے تو یہاں وُہ سیاہ فام دیوزاد حبشی پہلے سے موجود تھا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر اُس نے ادب سے سر جھکا لیا۔ کمرے کے ایک کونے میں آتشدان کے قریب ایک میز پر وُہ تابوت رکھا ہُوا تھا جس میں سترھویں فرعون مصر کے خادم خاص کی ممی پانچ ہزار سالوں سے محفوظ تھی۔ ڈاکٹر اُس کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ لڑکی کے چہرے پر اِس وقت تذبذب کی کیفیت نمایاں تھی وُہ مُضطرب نظر آ رہی تھی

"شیلی۔ یہاں آؤ۔" ڈاکٹر نے اُسے قریب بُلایا۔ اور وُہ اُسکے پاس ہی جا کر کھڑی ہو گئی۔

"اسے کھولو۔" ڈاکٹر نے حبشی کو اشارہ کیا اور وُہ فوراً اس تابوت کے قریب پہنچ گیا۔ اُس نے اس کا ڈھکنا کھول دیا۔ ایک عجیب سی خوشبو کا

نیزہ بھبکا کمرے میں پھیل گیا۔ لیکن اِن میں سے کسی پر اِس کا ردِ عمل نہیں ہُوا۔ شاید وُہ اِس کے عادی ہو چکے تھے۔

"پیالہ تیار کرو۔" ڈاکٹر نے حبشی کو حکم دیا اور وُہ اظہارِ ادب کے طور پر سر کو جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔

ڈاکٹر اب اس ممی کے چہرے پر لپٹی ہُوئی پٹیاں کھول رہا تھا۔ پھر ممی کا زمردین روغن میں لپٹا ہُوا چہرہ صاف نظر آنے لگا۔ اُس کی آنکھوں کے پپوٹے چمک رہے تھے۔ پھر ڈاکٹر نے اُس کے سینے کے حصے کی کچھ پٹیاں کھول کر اُس کے بازو کو اوپر کی طرف سے عُریاں کر دیا۔

"تم اِسے اپنے ہاتھ کے انگوٹھوں سے ملتی رہو۔" اُس نے شیلی کو ہدایت کی اور خود اُس سے مُلحق کمرے میں چلا گیا۔ ایک منٹ کے بعد جب وُہ واپس لوٹا تو شیلی اُس کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔ لیکن اُس کی خوبصورت آنکھوں کی گہری پلکوں میں آنسو تھرا رہے تھے۔ ڈاکٹر نے اِس پر کوئی توجہ نہیں کی۔ وُہ ہاتھ میں ایک بڑی سیرنج تھامے ہُوئے تھا جس کے ٹیوب میں کم از کم دو اونس سیال بھر سکتا تھا۔ لیکن وُہ ایک زرد رنگ کے سیّال سے صرف نصف ہی بھری ہُوئی تھی۔ ڈاکٹر نے اشارے سے شیلی کو ہٹا دیا۔ پھر وُہ ممی کے بازو کو انگوٹھے سے دبانے لگا۔ کچھ دیر میں ہی ایک موٹی رگ اُوپر اُچھل آئی اور ڈاکٹر نے سیرنج کی سُوئی اُس میں داخل کر دی۔ آہستہ آہستہ تمام زرد سیال سیرنج سے ممی کے جسم میں منتقل ہو گیا۔ اور ڈاکٹر نے سُوئی باہر کھینچ لی۔ اُس کی جبیں عرق آلود ہو گئی تھی۔ رُومال سے پسینہ پُونچھتے ہُوئے وُہ اپنی کلائی کی گھڑی دیکھنے لگا۔ تابُوت کے دائیں بائیں جو عود دان روشن تھے اُن سے نیلگوں دھوئیں کی پتلی لکیریں اُوپر اُٹھ کر ایک جالا سا بن رہی تھیں۔ پھر ڈاکٹر نے پاس ہی رکھا ہُوا ایک سفوف اُن پر چھڑک دیا

اور دھوئیں کے مرغولے بلند ہونے لگے۔ کمرہ اب ایک تیز خوشبو سے بھر گیا۔ جس میں وہ خود انہیں کھل کر سانس لینا مشکل ہو جاتا۔ اگر شاید وہ اس کے عادی نہ ہوتے۔ ڈاکٹر اس عمل کے بعد اطمینان سے آتشدان کے نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جیسے اسے کسی ردِ عمل کی پرواہ نہ ہو۔ لیکن شیلی بڑے غور سے اس لاش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی پلکوں میں ابھی تک آنسو لرز رہے تھے۔

ابھی بمشکل چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ شیلی کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چمکنے لگیں اور اس کے چہرے کی زردی زائل ہو گئی۔ اس لاش میں حرکت پیدا ہو رہی تھی اور آہستہ آہستہ اس کا سینہ پھولنا پچکنا شروع ہو گیا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کے پپوٹے ہلنے لگے۔ اور چند سیکنڈ کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کی آنکھیں اس وقت بھی بے نور سی معلوم ہو رہی تھیں اور لرزتے ہوئے ہونٹ جیسے کچھ کہنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ وہ بڑے حسرت زدہ نظروں سے شیلی کو دیکھنے لگا۔

"سہیل۔" شیلی دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رو پڑی۔

"پیالہ۔" ڈاکٹر نے چیخ کر حبشی کو آواز دی اور وہ فوراً بعد ہی تیز قدم اٹھاتا آ پہنچا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا چینی کا پیالہ تھا جس پر چینی طرز کی پچیکاری کی ہوئی تھی۔ اس پیالے میں ایک سرخ رنگ کا سیال تھا۔ جس سے ہلکے ہلکے ابخرات بلند ہو رہے تھے۔

"پلاؤ اسے۔" ڈاکٹر نے اشارہ کیا۔ اور سیاہ فام خادم نے وہ پیالہ اس لاش کے ہونٹوں سے لگا دیا اور وہ منہ کھول کر اسے پینے لگا۔ وہ پیالہ اس نے تھوڑی دیر میں خالی کر دیا۔ سیال کے حلق سے اترتے ہی اس لاش کے مردہ تن میں جیسے جان آنے لگی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور شیلی نے اسے سہارا دیا۔ اور پھر چند لمحوں

کے بعد ہی اُس کے چہرے پر ایسی تازگی آگئی جیسے کہ ابھی سو کر اُٹھا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں مُردنی کی جگہ چمک پیدا ہوگئی۔ اور چہرے کے نیلگوں روغن کے پیچھے سُرخی جھلکنے لگی۔

"شیلی۔ اُس نے خود ہی اِس لڑکی کو مخاطب کیا۔

"میرے بھائی"۔ وُہ جذبات سے کانپتی آواز میں اُس کے بالکل قریب ہو کر بولی۔

"تم کس حال میں ہو ________"

"کچھ بھی تو نہیں۔ میں تو بڑی آرام کی نیند سو کر اُٹھا ہُوں۔ کیوں؟ وُہ اُلٹا شیلی سے ہی پُوچھنے لگا۔

"بس شیلی۔ اَب اِنہیں آرام کرنے دو۔" ڈاکٹر نے درمیان میں دخل دیا جسکے جواب میں بڑی بے بسی سے اِس تابُوت کے زندہ مُردے نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ اَبھی تم آرام کرو۔ اَبھی تُمہارے باہر نکلنے کا وقت نہیں آیا ہے۔ لیکن گھبراؤ نہیں۔ صرف چند دِن بعد۔" ڈاکٹر کا لہجہ اِس بار مشفقانہ تھا۔

"سچ ڈاکٹر۔ ؟" اِس لاش نے تعجب اور خوشی سے بھرے لہجے میں پُوچھا "کیا تُم واقعی مجھے آزاد کر دو گے۔"

"یہ ڈاکٹر البصری کا قول ہے۔ بشرطیکہ ______" یہ کہتے کہتے وُہ رُک کر شیلی کی صُورت دیکھنے لگا۔ اور شیلی بھی کانپ کر اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"بشرطیکہ ایک بہن اپنے بھائی کی جان کی دُشمن نہ بنے۔" ڈاکٹر کا لہجہ پُر اسرار تھا۔ لیکن شاید شیلی اِس کا مطلب سمجھ گئی۔

"آپ انہیں آزاد کر دیجئے ڈاکٹر۔ جن کی آزادی کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ میں اپنی جان تک دے سکتی ہوں۔"

"میں کہہ چکا ہوں نا کہ تمہارا کام اب جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔ اس کے بعد تم اپنے بھائی کے ساتھ پھر واپس جا سکو گی۔"

"اوہ ۔۔۔ کاش وہ دن جلد آئے ۔۔۔" شیلی نے لمبی سی ٹھنڈی سانس بھری۔ لیکن اس بار وہ پہلے کی طرح مایوس اور فکرمند نہ تھی۔

ڈاکٹر کے اشارے پر وہ لاش دوبارہ تابوت میں لیٹ گئی۔ عود دان اس کے قریب کر دیئے گئے۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو گئیں اور پھر رفتہ رفتہ اس کے سینہ کا زیر و بم مدھم پڑتا گیا۔

"تم میرے ساتھ آؤ ۔۔۔" ڈاکٹر نے شیلی کو اشارہ کیا اور جس دروازے سے وہ کمرے میں آئے تھے اسی سے پہلے ڈاکٹر پھر شیلی باہر نکل گئے۔

اب سیاہ فام حبشی غلام اب اس لاش کے سینے اور بازوؤں پر پٹیاں کس رہا تھا۔

مچھر" مارسنگھٹن کے دفتر کے بوسیدہ فون کی گھنٹی آج پھر بجنے لگی۔ گن شاٹ پاس ہی موجود تھا اس نے رسیور اٹھایا اور کچھ دیر تک دوسری طرف سے کوئی پیغام سن کر سر ہلاتا رہا۔ پھر اس نے "اوکے" کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور اپنے موٹے ساتھی کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے۔ بڑے خوش نظر آ رہے ہو۔"

"ہوٹل ڈی فرنیکا میں ایک غیر مُلکی رئیس کی طرف سے ایک شاندار دعوت ہے۔ اور اِس میں اتفاق سے ہماری کمپنی کے ڈائرکٹر کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔ لیکن ڈائرکٹر کا یہ خیال ہے کہ اِس کی بجائے ہم لوگ زیادہ مُفید قسم کی نُمایندگی کر سکیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔"

یعنی دعوت میں۔۔؟" موٹے آدمی نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا۔

"کیوں۔ کوئی شک ہے تمہیں اِس میں۔۔۔۔۔۔"

"میں سوچ رہا ہُوں۔ ڈی فرنیکا کھانے ضرور مزیدار ہونگے۔"

"اور اگر بن بُلائے مہمان سمجھ کر جُوتے لگائے گئے تو وُہ بھی کُچھ کم لذیذ نہ ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔"

"ابھی تو تُم کہہ رہے ہو کہ ڈائرکٹر نے۔۔۔ "موٹے آدمی نے کہنا چاہا۔

"ڈائرکٹر کا خیال ہے کہ اِس طرح جانا اچھا نہ ہوگا۔ اگر ہم لوگ اپنے چہروں پر تھوڑی سی تبدیلیاں کر لیں تو ہمارے پھر مار سنگھٹن کی عزت رہ جائیگی کیونکہ اپنے اِس شاندار بزنس کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں ہماری وقعت پتھروں سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔"

"تو میں اپنا سُوٹ پہن سکتا ہُوں آج۔۔؟" موٹے آدمی نے جلدی سے پُوچھا

"سُوٹ کیا تُم سُوٹ کیس بھی پہن سکتے ہو۔ بشرطیکہ سیمنٹ کے بورے نہ نظر آؤ۔" گن شاٹ نے کہا۔

"اور تُم کون سے گلفام نظر آتے ہو۔"

"ہائے گلفتند کہا ہوتا۔ گُلفام تو کاغذی نام ہے۔۔۔۔۔۔"

"یہ دعوت کس وقت ہے ــــــــــ؟"

"پیٹ صاف کرنے کے لئے جُلاب لینے کا موقع نہیں۔ آج ہی سُورج ڈوب کر ۱/۲ ۸ بجے۔"

"ہم کہاں ملینگے ۔؟" موٹے آدمی نے سادگی سے پُوچھا۔

"علیحدہ سے تیاری کا ارادہ ہے؟ اچھا ٹھیک آٹھ بجے چڑیا گھر کے سامنے مل جانا ــــــــــ"

"چڑیا گھر کے سامنے ۔؟" موٹے آدمی نے حیرت سے پُوچھا۔

"ہاں افریقہ سے گینڈوں کا ایک نیا جوڑا آیا ہے۔ میں شام کو دیکھنے جارہا ہوں۔ ممکن ہے تمہاری پچھلی نسلوں کا کچھ پتہ چل سکے۔" نوجوان ساتھی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"آئی پروٹسٹ ــــ" موٹا آدمی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"اظہار خیال کا حق جمہوریت میں ہر فرد کو حاصل ہے۔ اگر تمہیں دیکھنے کے بعد مجھے کچھ ایسا بھی خیال ہوتا ہے۔ تو مجھے اس کے اظہار کا پُورا حق حاصل ہے۔"

"اور میں بھی کروں اظہار خیال ــــــــــ؟"

"شوق سے ــ میں دستور کا احترام کرنے والا ایماندار شہری ہوں ــــــــــ"

"تُم آدمی سے زیادہ لنگور معلُوم ہوتے ہو۔" موٹے ساتھی نے جل کر کہا۔

"شکریہ ــ میں بُرا نہیں مانا ــ اور کچھ ــــ"

"تو میں جاؤں ــ تیاری بھی تو کرنی ہے ــــــــــ"

"اُونہوں ــ پتہ نہیں پھر کب ڈائرکٹر کا فون آجائے۔ آجکل وہ مصروف معلُوم ہوتا ہے۔ ــــــــــ"

"تو پھر شام تک جھک مارنی ہوگی ـــــــ"
"آج پانچ بجے میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں یعنی ایک گھنٹے کی رعائت اور اس شرط کے ساتھ کہ دو بوتل آرینج کا بل تم چکاؤ گے ـــــــ"
"وہ تو ویسے بھی چکانا ہی پڑتا ۔ منگاؤ ـــــــ"
"اونہہ ۔ یہ فرض بھی تمہیں ہی ادا کرنا ہوگا ـــــــ"
"لعنت ہے اس نوکری پر" موٹا آدمی بڑبڑاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔
"مائی ڈیر عنٹ بال ۔ یہ نوکری نہیں جن سیوا ہے ۔ ہم انسانیت کی اعلیٰ ترین خدمت انجام دے رہے ہیں ـــــــ"
"تمہیں ہی مبارک ہو یہ جن سیوا" مگر وہ دونوں ہاتھ جوڑتا ہوا باہر جانے لگا ۔
"کیا واپس آنے کا ارادہ نہیں" نوجوان ساتھی نے میز پر اسی طرح لاپرواہی سے بیٹھے ہوئے نظروں سے اُسے دیکھ کر پوچھا ۔
"آرینج کا آرڈر دینے جا رہا ہوں" مُنہ پُھلائے ہوئے موٹا ساتھی بولا ۔ اور باہر نکل گیا ۔ نوجوان ساتھی اُس کے جانے کے بعد دیر تک ہنستا رہا ۔

"بِن بُلائے مہمان"

لیکن یہ حقیقت تھی کہ موٹے آدمی کا گن شاٹ شام کو ½ ۵ بجے چڑیا گھر میں ٹہل رہا تھا۔ وہ اِس وقت ایک سُرمئی رنگ کے گرم سُوٹ میں ملبوس تھا۔ اور اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کے آثار تھے۔ وہ اِسوقت مچھر مار سنگھٹن کا نمائندہ تو قطعی نہیں معلُوم ہوتا تھا۔ اِس سلیقے کے لباس اور کلین شیو میں اُس کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ وہ خُوبصورت بھی تھا اور وجیہہ بھی۔ بس دُور سے دیکھنے پر جیسے کوئی فلمی ہیرو۔ اور یہی وجہ تھی کہ گارڈن میں تفریح کے لئے آئی ہُوئی لڑکیاں خاص طور پر اُسے گھُور رہی تھیں لیکن کہ وہ اُتنا ہی غیر شاعرانہ قسم کا آدمی واقع ہُوا تھا کہ ان کھلے حسین چوکھٹوں کو چھوڑ کر اُسوقت بندروں کے پنجروں کا طواف کرتے ہُوئے ایک ایک بندر کی مزاج پُرسی کر رہا تھا۔ ہاتھ میں کاغذ کا ایک پڑا تھا جس میں مونگ پھلی کی جگہ کاجو بھرے ہوئے تھے۔ ایک گوریلا قسم کے بندر نے جسکے اُوپری جبڑے پر لمبے گھنے بال تھے۔ جب اُس کے کاجو کھانے کے بعد بھی اُسے مُنہ چڑانا شروع کر دیا تو وہ بھی جوابی اقدام کے طور پر اسی طرح دانت نکال کر اُسے مُنہ چِڑانے لگا۔ کھُڑے

کے پاس ہی موجود دو لڑکیاں اُس کی یہ حرکت دیکھ کر بے تحاشا قہقہہ مار کر ہنس پڑیں اور وُہ چونک کر اُنہیں دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے بھی اُنہیں اسی طرح سے چڑایا جس طرح بندر نے اُسے چڑایا تھا۔ جس پر اُنکی بھوویں تن گئیں اور وُہ پیر پٹکتی آگے بڑھ گئیں۔ اور کچھ لوگ جنہوں نے اُس کی یہ حرکت اور لڑکیوں کا غصّہ دیکھ لیا تھا بے اختیار ہنس پڑے۔ مگر پھر اس پر بھی سنجیدگی کا دورہ پڑ گیا۔ وُہ اَب سرسری نظر سے شُتر مُرغ اور ہرنوں کے احاطوں کو دیکھتا ہُوا گینڈے کے کمپاؤنڈ کی دیوار کے پاس جا کھڑا ہُوا۔ گینڈے کو دیکھنے سے زیادہ اُسے گینڈے کو دیکھ دیکھ کر طرح طرح کے مُنہ بنانے اور تبصرے کرنے والوں کو دیکھنے میں لُطف آرہا تھا۔ اُس کے پاس ہی کھڑا ہُوا ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

"یہ گینڈے کا دُودھ تو بڑا طاقت ور ہوتا ہوگا ــــــــــ"

"اِس میں کیا شک ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "افریقہ کے لوگ یہی پیتے ہوں گے۔ تب ہی تو طاقتور اور مرکھنے ہوتے ہیں۔ ــــــــــــــ"

اُن کی بات ایک تیسرے عقلمند آدمی نے بھی سُن لی۔ اُس نے دخل در معقولات کرتے ہُوئے دونوں کو ٹوک دیا۔

"یہ کِس گدھے نے کہا کہ گینڈے کا دُودھ بھی ہوتا ہے۔ ــــــــ"

"تو پھر اِس کے بچّے کیسے پلتے ہوں گے۔" اُس آدمی نے سوال کیا۔ــــ

"گھاس کھا کے۔" ــــــــــــ

"اور وُہ شُتر مُرغ۔" پہلے والے نے وہیں سے شُتر مُرغ کے کمپاؤنڈ کی طرف اِشارہ کیا۔

"وُہ شاید دُودھ دیتا ہوگا۔ کیونکہ شُتر معنے اُونٹ کے ہوتے ہیں۔ اُدھر ہمارے یہاں راجستھان میں اونٹ کا دُودھ کھایا بھی جاتا ہے۔" تیسرے

عقلمند نے جواب میں کہا۔

"اَبے اونٹنی کا بول اُونٹنی کا۔ اُونٹ سالا کیسے دُودھ دے گا۔" اِنکا بے تکلف ساتھی جو ابھی تک خاموش تھا۔ بولے بغیر نہ رہا۔

"میرا مطلب یہی تھا۔"

"گھاس کھا کر گینڈا اتنا تگڑا کیسے ہو سکتا ہے۔" پہلے آدمی کا دماغ ابھی تک اِسی سوال میں اُلجھا ہُوا تھا۔ کیونکہ اُسکے خیال کے مُطابق اگر گھاس میں اتنی غذائیت اور طاقت تھی تو پھر اِنسان کیوں نہ گھاس کھانے لگتا۔

"وہ گوشت کھاتا ہوگا۔" دُوسرے نے سوچ کر جواب دیا۔

"گینڈا پتیاں اور گھاس ہی کھاتا ہے۔" ایک بھاری آواز نے اُنہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگے کہنے والا ایک دراز قد سیاہ فام حبشی تھا۔ جس کا افریقی ہونا خود اِس بات کی سند تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے یقیناً دُرست ہوگا۔

گن شاٹ اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ ڈاکٹر البصری کا سیاہ فام خادم تھا۔ لیکن حبشی نے اُس کی طرف دیکھا بھی نہیں اوراسی پر کیا موقوف اگر ڈاکٹر البصری بھی اِسے اس حلیے میں دیکھتا تو کبھی نہ پہچان سکتا۔ کہ یہ وُہی مچھر مار سنگھٹن کا گن ہے۔ وُہ خود بھی اس حبشی کے قریب پہنچ گیا۔

"تم افریقہ کے رہنے والے ہو۔" گن شاٹ نے خود ہی اُس سے سوال کیا

"ہاں، کیوں۔" حبشی نے اثبات میں سر ہلا کر پوچھا۔

"میرا مطلب ہے اِس گینڈے کو دیکھ کر تمہیں اپنا وطن یاد آتا ہوگا"

"میں اِسی لئے تو اِن جانوروں کو دیکھنے آیا ہُوں۔ یہ مجھے میرے وطن کی یاد دلاتے ہیں" وُہ سادگی سے بولا۔

"تو کیا تم مدت سے ہندوستان میں ہو ـــــــــــ"

"نہیں پہلے میں مصر میں تھا ابھی تین دن ہوئے ہندوستان آیا ہوں"

"اوہ ـ چلو اچھی بات ہے ـ ہندوستان بھی کالے آدمیوں کا ہی ملک ہے ـ اسے تم اپنے وطن سے غیر نہ پاؤ گے ـ

"مشرق مشرق ہی ہے ـ چاہے افریقہ ہو یا ہندوستان ـ" حبشی ایک بھدّی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ـ اس خوش اخلاقی کے مظاہرے میں اس کے بڑے بڑے سفید دانت چمکنے لگے تھے ـ

"کچھ سیاست میں بھی دلچسپی معلوم ہوتی ہے تمہیں ـ؟" گن شاٹ نے اس سے بے تکلف ہوتے ہوئے پوچھا ـ

"نہیں ـ میں یہ سب کچھ نہیں جانتا ـ بس دوسرے لوگوں کو جو بولتے سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں ـ" حبشی نے صاف گوئی سے کام لیا ـ

"مجھے چراپونگ کہتے ہیں ـ میں بھی یہاں گھومنے آیا ہوں" گن شاٹ نے خود اس سے اپنا تعارف کرایا ـ

"کیا کہتے ہیں ـ" حبشی نے دوبارہ پوچھا ـــــــــــ

"چراپونگ ـــــــــــ"

"یہ تو ہندوستانی نام نہیں معلوم ہوتا ـ ـــــــــــ"

"میں اصل میں آسام سے آیا ہوں یہاں ہاتھی کو دیکھ کر اپنا وطن یاد کر رہا تھا ہمارے آسام میں ایسے ہی نام ہوتے ہیں ـ مثلاً ہڑلونگ ـ سب ڈھونگ چراپونگ وغیرہ ـ"

گن شاٹ نے اسے نام کی وجہ تسمیہ سمجھائی ـ

"میرا نام عدنان ہے میں بھی یہاں گھومنے پھرنے آیا ہوں ـ" حبشی نے

ڈاکٹر البصری سے اپنے تعلق کو چھپاتے ہوئے بتایا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر"۔ خدا نے چاہا تو ہم پھر ملیں گے۔" گن شاٹ نے اُس سے ہاتھ ملایا۔

"ضرور ضرور"۔ وہ بولا۔

پھر وہ سیاہ فام حبشی خود ہی آگے بڑھ گیا۔ اور گن شاٹ اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اُس کی کلائی کی گھڑی میں اِس وقت سات بج رہے تھے۔ اِس لئے وہ آہستہ قدموں سے خارجی دروازے کی طرف چل پڑا۔ ——————

ٹھیک آٹھ بجے جب گارڈن کے باہر فٹ پاتھ پر ٹہل رہا تھا اُسکا موٹا سا ساتھی آ پہونچا۔ اِس وقت وہ بھی ایک اوسط درجے کے گرم سُوٹ میں ملبُوس تھا۔ اور پہلے سے کچھ زیادہ آدمی نظر آرہا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ تم وقت پر ملوگے۔" اُس نے بھونڈے انداز میں گفتگو شروع کی۔

"میں بے وقت کبھی نہیں ملا کرتا۔ ویسے اب کوئی ٹیکسی تلاش کرو۔ بل کون دے گا۔ ——————"

"میں دوں گا بحق ڈائرکٹر۔ تم ٹیکسی لاؤ۔ ——————"

شام کا وقت تھا اِس لئے ٹیکسیاں اسوقت مشکل سے ہی ملتی تھیں۔ پھر بھی پانچ سات منٹ کے اِنتظار کے بعد اِنہیں ایک گاڑی مل ہی گئی۔

جیسے اُنھوں نے ہوٹل ڈی فرانگ کا پتہ بتا دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ انہیں وہاں ۹½ سے پہلے ہی پہنچنا ہے۔ اِس لئے روڈ رولر کی بجائے ٹیکسی کیا سمجھ کر چلا جائے۔ ــــــــــــــ

ہوٹل ڈی فرانک کے دروازے پر وُہ ٹیکسی سے اُتر گئے۔ یہ ایک شاندار قسم کا مغربی طرز کا ہوٹل تھا جہاں شاندار قسم کے لوگ ہی ٹھہرا کرتے تھے۔ اِس ہوٹل میں پارٹیوں اَور دعوتوں کے لئے مخصُوص ہال بھی علیحدہ سے بنائے گئے تھے۔ جن کے لئے ہوٹل کے منتظمین کنٹریکٹ لیا کرتے تھے۔ معاوضہ گراں لیتے تھے۔ لیکن وُہ ہر قسم کی دعوتوں کا انتظام کم سے کم مدّت میں کر دیا کرتے تھے۔ یہ ہوٹل ایک سہ منزلہ عمارت میں پھیلا ہُوا تھا۔ اور اسکے گراؤنڈ فلور پر ایک چھوٹا سا سینما تھیٹر بھی تھا۔ جس میں مستقل مہمانوں کی تفریح کیلئے فلمیں بھی دکھائی جاتی تھیں۔ پہلی منزل پر بال رُوم اور آرکسٹرا وغیرہ کا انتظام تھا۔ وُہ ہال بھی پہلی منزل پر ہی تھا۔ جس میں اِس دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ اِنہیں دروازے پر کھڑے ہُوئے ایک تنومند قسم کے ہندوستانی آدمی نے جو شکل سے ذرا خوفناک۔ لیکن لباس سے کوئی باحیثیت ممبر ہی معلُوم ہوتا تھا روک دیا۔ وُہ اِن سے دعوتی کارڈ طلب کر رہا تھا۔ شاید اِس بے عزّتی کی نوبت اِس لئے آئی تھی کہ ان کی شکلیں اُس نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہونگی۔ گن شاٹ نے جیب سے ایک دعوتی کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا جس پر لکھا تھا۔

"مسٹر اینڈ مسز بابر مرزا۔ انڈین کیمیکلز"

"یہ مسٹر اینڈ مسز کیلئے ہے۔" وہ آدمی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"اوہ۔ میری مسز کو ذرا چھینکیں آرہی تھیں اس لئے انھوں نے اپنی نمایندگی کیلئے میرے ساتھ اپنے بھائی صاحب کو بھیجدیا ہے۔" گن شاٹ نے یہ کہتے ہوئے موٹے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔ جس کا منہ اس جملہ کو سُن کر ایسا بن گیا تھا۔ جیسے اُسے کونین کی گولیاں نگلنی پڑ رہی ہوں۔

"تو بھئی آپ ہی مسٹر بابر مرزا ہیں۔" اُس آدمی نے سنجیدہ ہو کر دریافت کیا۔

"اگر آپ کو اس میں شک ہے تو آپ فی الحال مجھے انڈین کلیمنٹو ہی سمجھ لیجئے۔" گن شاٹ نے مسکرا کر کہا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ اِس سے پہلے میں نے آپ کو کہیں ــــــ"

"دیکھا نہیں ـــ پہچانا ـــ کوئی مضائقہ نہیں اب دیکھ لیجئے ــــ"

"خیر اندر تشریف لے چلئے ـــ" اس آدمی نے راہ سے ہٹ کر انہیں اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہال مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ جگہ جگہ ٹیبلیں بکھری ہوئی تھیں اور ہر میز کے ساتھ تین چار کرسیاں لگی تھیں جن پر مہمان جمے تھے۔ کچھ دو دو چار چار کے گروپ بنا کر آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اور کچھ تفریحاً اِس میز سے اُس میز تک بھٹک رہے تھے وہ لوگ جو ٹیبلوں پر جم کر کھاتے پیتے رہنا پسند نہ کرتے تھے اُن کے لیے چار گوشوں میں صوفے لگے ہوئے تھے۔

گن شاٹ ڈاکٹر البصری کی سیکرٹری شیلی کو دیکھ کر چونک سا پڑا۔ وہ اسوقت شوخ سُرخ رنگ کے اسکرٹ میں کھلی پڑ رہی تھی جیسے ایک دہکتا ہوا شعلہ اِدھر سے اُدھر کوندتا پھر رہا ہو۔ اس وقت اسکے چہرے پر اضمحلال کی جگہ تازگی اور سُرخی جھلک رہی تھی۔ گن شاٹ نے موٹے ساتھی کو اشارہ کیا۔

" اگر میں شاعر ہوتا تو ــــ"، وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

" تو کیا کرتے ــــــــ"

" اس دہکتے ہُوئے انگارے پر شاعری ضرور کرتا ــــ"

" میں کوئی شعر عرض کردوں ــ" موٹے ساتھی نے پُوچھا۔

" کہہ ڈالو ــــــ"

" چلتی پھرتی سی اِک قیامت ہے ۔ حُسن کیا ہے نرا مُصیبت ہے"۔

" لا حول ولاقوۃ ۔ کیا مولوی اسمٰعیل والا شعر کہا ہے ۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے جیسے نہر پر چل رہی ہو پن چکی ۔ دُھن کی پُوری ہے کام کی پکّی ــــ"

" تو تم ہی کوئی موزوں کر ڈالو ــــ"

" کوئی نئی تشبیہ سوچو ــ" گن شاٹ ذہن پر زور دینے لگا ۔ پھر خود ہی چونک پڑا ۔ ہاں یاد آیا " لوسنو " اُن کو دیکھا یاد آئے ہائے گُل کُطرے کے پھُول

" وہاٹ ــ" موٹے ساتھی نے دخل دیا ۔ " یعنی گُل بھی اور پھُول بھی ــ"

" سب چلتا ہے ۔ میں نے بہت سے پڑھے لکھوں کو سن لائٹ سوپ صابن بولتے سُنا ہے ۔ اور پھر ماڈرن شاعری میں ایسی رعائیتیں ہونی چاہئیں"۔

" کیا ہم یہاں شاعری کرتے آئے ہیں ــ" موٹے ساتھی نے سوال کیا۔

" نہیں ۔ تم چاہو تو وزن بڑھانے کے فارمولے پر ایک تقریر بھی کر سکتے ہو"۔

" آخر یہاں آنے کا کچھ تو مقصد تو ہونا ہی چاہیئے ــــــ"

" خدمتِ خلق مائی ڈئیر ۔ خدمتِ خلق ۔ جن سیوا میں ہی تمہارا ہمارا کلیان ہے ۔ ــــــ"

" مجھے کلیان نہیں جانا ہے "۔ موٹے آدمی نے یہ کہہ کر مُنہ لٹکا لیا ــــ

" تُم جہنّم میں بھی جا سکتے ہو ۔ لیکن سر دست خاموش ہی رہ جاؤ تو ــ"

"تو ____"

"تو میں تمہیں اچھا آدمی سمجھوں گا ____" یہ کہہ کر وُہ شیلی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سے معزز اور مہذب مہمانوں کی بھوکی نظریں شیلی کی چکنی چکنی عُریاں سڈول اور گوری پنڈلیوں پر اِس طرح قربان ہو رہی تھیں جیسے اِن کا بس چلے تو وُہ ابھی اِس چکنائی پر سے پھسل پڑیں۔ شیلی خود ہی مہمانوں کو ڈاکٹر المیصری سے مِلا رہی تھی۔ گن شاٹ نے دیکھا۔ ڈاکٹر اپنی چمکتی چندیا چار بالوں کی لہر چپکائے ایک کونے میں صوفے پر بڑے پُرسکون انداز میں بیٹھا تھا۔ اور شاید شیلی کی وجہ سے ہی بعض لوگ خواہ مخواہ اُس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ وُہ دو ہندوستانی جن میں سے ایک دروازے پر مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا اور دُوسرا اندر انتظامات کی نگرانی کر رہا تھا۔ مہمانوں کا تعارف سب سے پہلے شیلی سے کراتے تھے۔ اور دِل پھینک قسم کے مہمان تو شیلی کی پہلی مُسکراہٹ سے ہی قتل ہو جاتے تھے۔ لیکن جن پر سنجیدگی کے گہرے دورے طاری ہوتے وُہ بھی اِس سے ہاتھ مِلاتے وقت اپنے اندر ایک طرح کا ردِ عمل محسُوس کرتے جیسے کوئی شاک لگ گیا ہو۔ شیلی بعد میں خاص خاص مہمانوں کو ڈاکٹر کی طرف لیجا کر اُن کا تعارف ڈاکٹر سے کرا دیتی تھی۔

"ڈیرفنٹ بال ـ پارٹی تو بہت شاندار ہے"۔ گن شاٹ نے ساتھی آہستہ سے کہا۔

"شہر کی کئی بڑی کمپنیوں کے مالک۔ کئی ڈاکٹر۔ بلکہ مجھے کچھ سرکاری عہدیدار تک یہاں نظر آ رہے ہیں ____"

"یہ ڈاکٹر المیصری بھی کوئی شاندار آدمی ہی معلوم ہوتا ہے۔ میرا مطلب حیثیت سے ہے"۔ موٹے ساتھی نے کہا۔

"بصرہ میں یہ مشرق کا پُر اسرار آدمی مشہور ہے۔ میں نے اس کے بارے میں بعض اخبارات میں بھی پڑھا ہے ——"

ہو گا۔" موٹے ساتھی نے بُرا سا مُنہ بنا لیا۔ "مجھے تو اس کی کھوپڑی دیکھ کر کسی فوجی کی فولادی ٹوپی یاد آ رہی ہے۔ ——"

بات یہیں تک ہُوئی تھی کہ ایک بیرا ٹرے میں سنڈوچ لئے آ پہنچا اور اُن کے سامنے ٹرے جھکا دی۔ موٹے آدمی نے اُن میں سے چار اُٹھا کر سامنے پلیٹ میں رکھ لئے اور بیرا دوسروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک بار بہت سے آدمیوں کی نظریں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ اندر داخل ہونے والا ڈاکٹر بوس تھا۔ وہ ایک شاندار شخصیت کا مالک ہونے کے علاوہ ایک اہم حیثیت بھی رکھتا تھا۔ اُس کا شمار مُلک کے مشہور سائنسدانوں میں تھا اور وہ ایٹمی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا ہیڈ بھی تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جو ایک پستہ قد بنگالی عورت تھی۔

استقبال کرنے والوں نے ڈاکٹر بوس کو بڑے ادب سے لیجا کر صوفے پر بٹھا دیا۔ پھر ان میں سے ایک نے شیلی کے کان میں کچھ کہا اور وہ ڈاکٹر بوس پر ایک نظر ڈال کر ڈاکٹر البصری کی طرف گھوم گئی۔ ڈاکٹر البصری اس وقت ایک خاتون مہمان سے گفتگو کر رہا تھا۔ لیکن شیلی کو پاس آ کر کھڑے ہوتے دیکھ وہ اس خاتون سے معافی مانگ کر شیلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ آ گیا ہے" شیلی نے اُس کے کان میں سرگوشی کی ——

"اوہ۔ اچھا۔" یہ کہہ کر وہ اس خاتون سے مخاطب ہُوا۔ "میرے ایک خاص دوست تشریف لائے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں اُن سے مل لوں"

اُس کا لہجہ بڑا پُر اخلاق تھا۔ اور ایسے موقعوں پر وہ اپنے چہرے کی تمام درشتگی

کو خوشگوار قسم کی مسکراہٹ میں چھپا لینے کا عادی تھا۔

"کیوں نہیں۔ ضرور تشریف لیجائیے۔" خاتون نے بڑی فراخدلی سے اُسے اجازت دیدی۔ وُہ تازہ واقفکاروں میں سے ہی معلوم ہوتی تھی بہرحال شیلی اُسے دُوسری نشست کی طرف لے گئی اور ڈاکٹر اُس صوفے کی طرف بڑھ گیا جہاں ڈاکٹر بوس بیٹھا ہُوا تھا۔

اِس موقع پر اِنتظام کرنے والوں میں سے ایک قریب آپہنچا۔ اُس نے اِن دونوں کو ہی مخاطب کیا۔

"آپ لوگ اجازت دیں تو میں آپ کا ایک دوسرے سے تعارف کرادوں۔"

"شاید اِس کی ضرورت نہ پڑے۔" ڈاکٹر البصری مسکرایا۔ "ڈاکٹر بوس ایسی گمنام ہستی تو نہیں کہتے جسے تلاش کرنا پڑے۔"

ڈاکٹر البصری کی اِس تعریف سے ڈاکٹر بوس کا چہرہ کھل سا اُٹھا بالعموم وُہ بہت کم گو اور تنہائی پسند آدمی کہا جاتا تھا۔ لیکن غیر ملکیوں کی دعوتوں میں وُہ اِس لئے ضرور شرکت کرتا تھا کہ کہیں وہ ہندوستانیوں کو بددماغ۔ مغرور یا پھر احساس کمتری کا شکار نہ سمجھیں۔ اِسے اِس تعریف نے اِس لئے متاثر کر دیا کہ یہ الفاظ ایک غیر ملکی مہمان کی زبان سے نکلے تھے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ ڈاکٹر البصری کی شخصیت بھی انجانی نہیں ہے تو بیجا نہ ہوگا۔"

ڈاکٹر بوس نے مسکراکر یہ کہتے ہُوئے اس کی طرف مصافحے کا ہاتھ بڑھایا۔ اور دونوں گرمجوشی سے ہاتھ ہلانے لگے۔

"میں اکثر آپ کے بارے میں اخبارات میں آرٹیکل پڑھ چکا ہوں۔" ڈاکٹر بوس نے کہا۔ "مجھے یاد ہے ایک بار آپ نے کسی تجربے میں ایک کتے کو مار کر چار گھنٹے بعد زندہ کیا تھا۔"

"اوہ یہ تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ ویسے میں اِن دنوں ایک ایسے تجربے میں مصروف ہوں جسکی کامیاب تکمیل عالم انسانیت کیلئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔"

"کس سلسلے میں۔" ڈاکٹر بوس نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ فوراً اس سوال کا جواب نہ دے سکوں گا لیکن یقین مانئے میں جس چیز کی تلاش میں ہوں۔ اُسکے ملتے ہی سب سے پہلے آپ کو ہی اس سے آگاہ کروں گا"

"ایسی کیا چیز ہے ۔؟" ڈاکٹر بوس نے پوچھا۔ اُسکی بیوی اَب خود ہی اپنی کسی سہیلی کو دیکھ کر وہاں سے کھسک گئی تھی۔

"صرف ایک Element جوہر جسے XOSL کہتے ہیں۔ ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔

"بڑی نایاب شے کا نام لے رہے ہیں آپ؟ ڈاکٹر بوس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔" یقین مانئیے ہندوستان جیسے ملک میں اسکی مقدار صرف پانچ اونس ہے۔ جو میری لیبوریٹری کے لئے بڑی گراں قیمت پر حاصل کی گئی ہے"

ڈاکٹر بوس بے ساختگی میں اُسے بتا تو گیا۔ لیکن پھر کہتے کہتے رُک گیا شاید اُسے خیال آگیا تھا کہ ایسی باتیں اسے اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے بھی نہ کرنی چاہئیں۔

"نایاب ہی مگر عنقا نہیں ہے۔ امریکہ کے ایک اِدارے نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی اتنی مقدار مجھے فراہم کر دے گا جو میرے تجربے کے لئے کافی ہو سکے۔ لیکن اس کی قیمت مجھے ایک لاکھ ڈالر میں ادا کرنی پڑے گی۔" ڈاکٹر البصری نے لاپرواہی سے کہا۔

"دراصل کرۂ فضائی سے زینون (Xenon) کی گیس حاصل کر کے

اُسے سیّال میں تبدیل کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔" ڈاکٹر بوس نے رائے زنی کی۔
"آج کے دَور میں سب کچھ ممکن ہُوا جارہا ہے۔" ڈاکٹر البصری نے مُسکرا کر جواب دیا۔

"لیکن ایسا کون سا تجربہ ہے جو آپ زینون اور سیم (osmium) کمپاؤنڈ لیکوئیڈ سے کرنا چاہتے ہوں۔" ڈاکٹر بوس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وُہ ایک حیرتناک چیز ہوگی۔ ڈاکٹر البصری نے ایک پُراسرار مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔" بہرحال جب میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤنگا تو آپ کو ضرور دعوت دوں گا ——————"

"دراصل میں خود بھی ایک فارمُولا اِن دِنوں تیار کر رہا ہُوں ـــ" ڈاکٹر بوس اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "اور یہ بھی بڑی حیرتناک چیز ہوگی ـــ" اُس کا لہجہ رازدارانہ تھا۔

"مثلاً ـــ" ڈاکٹر البصری نے مختصراً پُوچھا۔

"مثلاً یہ کہ وجُود و عدم وجُود ـــ" ڈاکٹر بوس نے مبہم سا جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں ـــ" ڈاکٹر البصری نے مصنوعی بے تعلقی کا اظہار کیا۔

"ابھی نہیں ـــ وقت آنے پر سمجھاؤں گا ـــ" ڈاکٹر بوس بھی اپنا جواب گول کر گیا۔

"خیر خیر کوئی بات نہیں۔ ویسے اِس میں شک نہیں کہ آپ سے مِل کر مجھے بہت خوشی ہُوئی ——————"

"شکریہ ـ شکریہ ——————"

پھر وُہ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔ دوسری طرف گن شاٹ اور اس کے ساتھی نے شیلی کو پکڑ لیا تھا۔ وُہ اخلاقاً مہمانوں سے پُوچھنے آئی

کہ نہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے ۔ جس پر دوسروں نے اظہار تکلف کیا ہو تو کیا ہو ۔ لیکن گن شاٹ اور اُس کا ساتھی دونوں بے تکلف ہی نکلے ۔

"جی ۔ مجھے انا سین کی ضرورت ہے اور میرے ساتھی کو اینو فروٹ سالٹ کی ضرورت ہے ۔" گن شاٹ نے ہی ابتدا کی ۔ مگر جواب میں وہ اُنہیں غور سے دیکھنے لگی ۔

"کیا تکلیف ہے آپ لوگوں کو ــــــــــــ"

"مجھے سر درد کی اور اِنہیں بد ہضمی کی ۔" وہ معصومیت سے بولا ۔

"خوب ۔" وہ مسکرائی آگے بڑھنے لگی ۔ مگر گن شاٹ کی آواز نے اُسے روک دیا ۔

"ذرا سنئے تو محترمہ ــــــــــــ"

"فرمائیے ۔" وہ پلٹ پڑی اور چبھتی ہوئی نظروں سے اُسے گھورنے لگی ۔

"ہائے ۔ ایسے ہمیں کوئی نہیں دیکھتا ۔" موٹے ساتھی نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا ۔

"مفت میں دبلے ہو جاؤ گے ۔ کیا فائدہ ۔" گن شاٹ نے کہا اور جلدی سے شیلی کی طرف متوجہ ہو گیا ۔

"ایسا یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے ۔" وہ ذہن پر زور دینے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا ۔

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی یاد پڑ رہا ہے ۔" شیلی بھی اُسے مضحکہ اُڑانے والی نظروں سے دیکھنے لگی ۔

"اوہ ہاں شاید پچھلے جنم میں۔ جب آپ مصر کی زلوفطرہ رہی ہونگی"
یہ کہتے ہوئے بھی اُس کے چہرے پر معصومیت اور سنجیدگی کے آثار تھے
"زلوفطرہ نہیں گن شاٹ قلوپطرہ۔" موٹے ساتھی نے جلدی سے
تصیح کردی۔

"ارے نہیں۔ میں وُہ عزیز مصر والی کا ذکر کررہا تھا۔"
"کون زلیخا۔" موٹا آدمی چونک کر بولا۔ اور اُن کی آپس کی جھڑپ
سے شیلی لُطف اندوز ہوتی رہی۔

"پہلے تو یہ بتایئے کہ آپ کو میرے مصری ہونے کا علم کیسے ہُوا۔؟"
"ڈاکٹر البصری کی سیکرٹری یقیناً جاپانی تو نہ ہوگی۔" گن شاٹ
نے جواب دیا۔

"آپ آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کی اطلاع کے
لئے یہی عرض کردوں کہ میں نے آپ کو آج سے پہلے کہیں نہیں دیکھا ہے۔"
شیلی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے محترمہ۔" گن شاٹ نے سرد آہ کھینچی۔
"میں آپ کی کوئی خدمت کرسکتی ہُوں۔؟" شیلی نے بڑی نرمی
سے سوال کیا۔

"صرف ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔" گن شاٹ براسامنہ بنا کر بولا۔
"ہونہہ۔" شیلی نے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔
—— وُہ اَب ایک دوسری دیکھ کر مُسکرا دیئے۔

"جوہر کی چوری"

رات آدھی گزر چکی تھی۔ اور چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ اس لئے گہری تاریکی کا راج تھا۔ ایک چوڑی پختہ مگر ویران سڑک پر جہاں مضبوط آہنی سلاخوں والے ایک بڑے دروازے کے باہر لکڑی کے ایک بڑے تختے پر جو دو ستونوں کے ساتھ اِس پھاٹک کے نزدیک ہی استادہ تھا۔ "ایٹمی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" لکھا ہُوا تھا۔ ایک لکڑی کے کیبن کے باہر کھڑا ہُوا سنتری، اپنی بندوق کو کبھی ہاتھ میں تھام لیتا اور کبھی کیبن سے ٹکا کر خود بھی اِس سے ٹک جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رات کی ڈیوٹی اِس کا معمول ہو کیونکہ اِس پھاٹک پر پہرہ دیتے اُسے سالوں گزر چکے تھے۔ اور اس درمیان میں کبھی کوئی ایسا واقعہ نہیں ہُوا تھا۔ جس سے ایک سنتری کی اہمیت محسوس کی گئی ہو۔ اِس لئے یہ ڈیوٹی اس کے نزدیک ایک رسمی ڈیوٹی بن چکی تھی۔ پھر بھی کوئی ایماندار اور فرض شناس آدمی ہی تھا۔ کیونکہ کبھی اُسے

غیر مستعد نہیں پایا گیا تھا۔

معمول کے مطابق آج بھی وُہ اپنی جگہ موجود تھا۔ اور شاید وہ اس شب بیداری کا عادی بھی ہو چکا تھا۔ کیونکہ اُس کی آنکھیں نیند سے بالکل خالی تھیں۔ یہ پھاٹک انسٹی ٹیوٹ کا داخلی پھاٹک تھا۔ جہاں سے ایک سڑک اندر انسٹیٹیوٹ کے کمپاؤنڈ کے وسط سے گزرتی ہوئی اِن دو طرفہ برآمدوں کے درمیان ختم ہوتی تھی۔ جن کے اندر انسٹیٹیوٹ کے دفاتر کے دروازے اور درمیانی کاریڈور تھے۔ کمپاؤنڈ کے بیچ و بیچ ایک گول چبوترے پر سرکاری پرچم لہرا رہا تھا اور چبوترے پر بھی انسٹیٹیوٹ کا نام چینی کے ٹکڑوں سے لکھا ہوا تھا۔

اِنسٹی ٹیوٹ کی عمارت بھی کافی لمبی چوڑی تھی اور اِسی طرح اِسکا کمپاؤنڈ۔ لیکن سوائے اِن مخصوص دنوں کے جب کوئی خاص قسم کے تجربات شب و روز ہو رہے ہوں انسٹی ٹیوٹ کے دروازے سرِ شام ہی بند ہوجایا کرتے تھے۔ اور سُورج ڈوبنے سے پہلے ہی یہاں سناٹا چھا جاتا۔ پھر دِن کا سنتری رات کو ۱۰ بجے رات والے سنتری کو اپنی ڈیوٹی کا چارج دے کر چلا جاتا۔ جو رات بھر پہرہ دے کر صبح ۶ بجے دِن کے اوّل وقت کے سنتری کو اپنا چارج دے دیتا۔ اور یہ سنتری صبح ۶ بجے سے دوپہر کے دو بجے تک ڈیوٹی دیتا۔

سنتری کے کان اچانک کھڑے ہو گئے۔ وُہ کسی کی چیخ ہی تھی۔ اِس سُنسان اندھیری رات میں کوئی قریب ہی کہیں چیخا تھا۔ وُہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے

لگا۔ بمشکل چند سیکنڈ گذرے ہونگے کہ دوبارہ وہی چیخ سُنائی دی۔ اور غیرارادی طور پر اُس کا ہاتھ بندوق پر پہنچ گیا۔ چیخ کی آواز کسی عورت یا لڑکی کی ہی ہو سکتی تھی۔ اِنسانی ہمدردی کے جذبات نے جوش مارا اور وُہ بندوق سنبھالے سڑک کی طرف تیز قدموں سے چل پڑا۔ وُہ ڈیوٹی چھوڑ کر دُور جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر کوئی مصیبت میں ضرور تھا۔ اور پھر اُسے ٹارچ کا خیال آگیا۔ اُس نے دوڑ کر کیبن سے ٹارچ لی اور سڑک کی طرف دوڑنے لگا۔ وُہ چیخ اب تیسری بار سُنائی دی۔ اور اندھیرے میں اُسے کچھ فاصلے پر دو سائے ایک تیسرے انسانی سائے کو گھسیٹتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اُس نے جیسے ہی ٹارچ کی روشنی اُن پر ڈالی وُہ دونوں بھاگ کھڑے ہُوئے۔ تیسرا سایہ وہیں ہمٹ کر رہ گیا۔ سنتری نے قریب پہنچ کر دیکھا۔ وُہ ایک گورے رنگ کی نوجوان لڑکی تھی جس کی ساڑی جگہ جگہ سے پھٹ گئی وُہ سہم کر وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ سنتری کی نظر جب اُسکے چہرے پر پڑی تو وُہ کچھ دیر اُسے دیکھتا رہ گیا۔ وُہ بہت خوبصورت تھی۔ شاید اسی وجہ سے وُہ غنڈے اِس کے پیچھے پڑ گئے ہوئے ہونگے۔

"کیا بات تھی؟" سنتری نے اُس سے پُوچھا۔

"وُہ۔ وُہ بدمعاش مجھے اُٹھا لیجانا چاہتے تھے ــــ" لڑکی نے ڈرے ہُوئے لہجے میں جواب دیا۔

"تم کون ہو؟" سنتری نے سوال کیا۔

"میں ایک بے سہارا غریب لڑکی ہُوں ــــ"

"خیر اِدھر آؤ ہمارے ساتھ ہم گیٹ پر باتیں کرینگے۔ میں یہاں کھڑا نہیں رہ سکتا ــــــــــ"

یہ کہہ کر وُہ چلنے لگا۔ مگر لڑکی سہمی ہوئی وہیں کھڑی رہی ــــ سنتری نے مُڑ کر دیکھا۔

"ارے ڈرو نہیں۔ آؤ ــ مَیں بُرا آدمی نہیں ہُوں۔" اُس نے نرم اَور ہمدردانہ لہجے میں کہا ــ "میں تمہاری شکل دیکھ کر تو تمہاری مدد کو نہیں آیا تھا۔"
لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وُہ اس کے پیچھے ہولی۔

دروازے پر آ کر سنتری نے اپنی بندوق کیبن سے ٹِکا دی۔ اور لڑکی کو کیبن کے پاس رکھے ہُوئے ایک بڑے پتھر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وُہ چُپ چاپ بیٹھ گئی ــــــــــــ

"تُم اِتنی رات کو اِدھر کیسے آ نکلیں ــــــــــــ"

"میرا ماما یہاں ہسپتال میں بیمار تھا۔ گاؤں سے اُسے دیکھنے آئی تھی۔ مگر۔ وُہ چل بسا۔" وُہ یہ کہہ کر رونے لگی ــــــــــــ

"روؤ نہیں ــ کیا یہاں کوئی نہیں تمہارا ــــــــــــ"
لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا ــــــــــــ

"تُم اکیلی ہی آئی تھیں ــــــــــــ"

"میری ماں وہیں گاؤں میں ہے ــ اَور ہمارا کوئی نہیں ــــــــــــ"

"اوہ ــــ اچھا ــ تُم رات کہیں گذار لو۔ سویرے میں تمہیں تمہارے گاؤں کا ٹکٹ دلوا دُوں گا ــــــــــــ"

"میں کہیں نہیں جا سکتی ــ وُہ غنڈے مجھے اُٹھا لیجائیں گے ــــ یہ رات یہیں گذار لینے دو۔" اُس نے التجا کی۔ اَور سنتری سوچ میں پڑ گیا۔ ویسے ڈر کی کوئی اَور وجہ نہ تھی۔ یہاں رات کو کوئی اُفسر بھی نہ آتا تھا۔ نہ ہی اُسے کسی اَور کا خوف تھا۔ بس ڈر تھا تو یہی کہ لڑکی جوان اَور خوبصورت تھی اَور بہرصُورت وہ

اِنسان تھا۔ فرشتہ نہ تھا۔ اَور یہی ہُوا۔ جیسے جیسے وُہ لڑکی سے نظریں چُراتا گیا۔ اُس کا دِل اُسے بار بار دیکھنے کو چاہنے لگا۔ اَور لڑکی بھی اُسے چور نظروں نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُسے جیسے نیند آئی ہو۔ باہیں اُٹھا کر ایک ایسی انگڑائی لی اَور سنتری کے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔

"ارے ہاں ۔" لڑکی یہ کہتی ہُوئی اُٹھ کر اُس کی طرف آئی۔ وُہ اُسے دیکھ کر مُسکرا دیا۔" اوہ بدمعاش میرے مُنہ پر رُومال باندھ رہے تھے۔ دیکھو نا اس میں کیسی عجیب سی بدبُو آرہی ہے۔ اُس نے اُس کے بالکل قریب آکر ایک سُفید رُومال اُس کی طرف بڑھا دیا۔ سنتری یہ سمجھ کر کہ یہ محض ایک قریب آنے کا بہانہ ہے۔ اُس کے ہاتھ سے رُومال لے کر ہنستے ہُوئے اُسے بار بار سُونگھنے لگا۔ خوشبُو تو خود اُس کی سمجھ میں بھی نہ آئی مگر ذرا سی دیر میں ہی اُسے سر بھاری ہوتا معلوم ہُوا۔ پھر وُہ لڑکی اُسکی نظروں میں مدھم ہونے لگی۔ پھر جیسے سڑک کی بتیاں بھی بجھ گئی ہوں۔ اَور وُہ تیورا کر اِس طرح گرا کہ سر اَور کمر کا ادپری حصّہ کیبن سے ٹِک گیا۔ ورنہ زمین پر گرتا تو پتھر کی چوٹ لگی ہوتی۔ لڑکی نے پہلے اُسے جھنجھوڑا پھر مُسکرا دی اَب اُس نے وُہ سُفید رُومال اُس کے ہاتھ سے لے کر اُسے دروازے کی روشنی کے سامنے ہَوا میں لہرا کر دو تین جھٹکے دیئے۔ اَور پھر کیبن کے سائے میں کھڑی ہو گئی۔ سنتری اُس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نیند کے غلبے کی وجہ سے کیبن سے ٹِک کر سو گیا ہو۔ اُس کی بندوق پاس ہی پڑی تھی۔

لڑکی کے رُومال ہلانے کے فوراً بعد ہی سڑک پر کہیں کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنائی دی اور پھر اندھیرے کو چیرتی ہُوئی ایک کار جس کی ہیڈ لائیٹس بجھی ہُوئی تھیں۔ انسٹی ٹیوٹ کے پھاٹک کے نزدیک آکر

رُک گئی۔ اِس میں سے دو اِنسانی سائے اُترے جو سیاہ پتلونوں پر کالے اوور کوٹ پہنے ہُوئے تھے۔ اور جن کے سروں پر کالے ہی فیلٹ ہیٹ تھے۔ لڑکی نے سنتری کی طرف اِشارہ کیا۔

"یہ بے ہوش ہے۔ چابیوں کا گُچھا اس کی کمر سے لٹک رہا ہے۔" وُہ بولی۔

جس پر ایک آدمی نے بڑھ کر سنتری کی کمر سے چابیوں کا گُچھا نکال کر اپنے ساتھی کی طرف اُچھال دیا۔ اور خُود سنتری کی بغل میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہُوا اُس کی کیبن میں لے گیا۔ اُس نے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اِتنی دیر میں دُوسرا آدمی اُس کار کے لئے گیٹ کھول چکا تھا۔ پھر وُہ لڑکی بھی کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اور دروازہ کھولنے والا آدمی گاڑی کے فٹ بورڈ پر کھڑا ہو گیا۔ کار گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔ کار کے اندر جانے کے بعد ہی کیبن کا دروازہ کھول کر سنتری باہر نکل آیا۔ لیکن وہ سنتری نہیں تھا۔ صِرف وردی اُس سنتری کی پہنے ہُوئے تھا۔ اُسنے کھُلے پھاٹک کو جلدی سے بند کیا اور قفل اس میں یُونہی اٹکا دیا۔ کیونکہ چابیوں کا گُچھا وُہ لوگ اندر لیتے گئے تھے پھر اُس نے بندوق کو چیک کیا وُہ لوڈ کی ہُوئی تھی۔ اس کے بعد وُہ اطمینان سے ایک سگریٹ جلا کر اس کے کش لیتا ہُوا بندوق کاندھے پر لئے سنتریوں کے انداز میں گیٹ پر ٹہلنے لگا۔

کار برآمدے کے قریب جا کر رُک گئی اور وُہ آہستہ سے اُس میں سے اُتر کر باہر آ گئے۔ کار کا ڈرائیور کار ہی میں بیٹھا رہا۔ اور اس میں سے وُہی

لڑکی اور وُہی آدمی جس نے دروازہ کھولا تھا اُتر کر برآمدے میں گھُس گئے۔ برآمدے میں کمروں کے دروازوں پر علیحدہ علیحدہ تختیاں لگی ہوئی تھیں جن پر انسٹیٹوٹ کے شعبوں کے نام لکھے تھے۔ وُہ ایک محدُود دائرے والی ٹارچ کی روشنی میں اِن تختیوں کو پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اچانک ایک کاریڈور کے دہانے پر پہنچ کر اُن کے قدم رُک گئے۔ یہاں ایک آڑی تختی پر لکھا تھا۔ "لیبوریٹری" وُہ اس کاریڈور میں گھوُم گئے۔ کاریڈ لمبا تھا اور دُور تک تاریکی میں چلا گیا تھا۔ دوسرے سرے پر انہیں ایک چوڑا مضبوط دروازہ نظر آیا جس پر "لیبورٹری" لکھا تھا۔ اسکا دروازہ مقفل تھا۔ لیکن اس گچھے کی کوئی کنجی اِس میں نہیں لگی

"میرا خیال ہے۔ ہمیں اور آگے دیکھنا چاہیئے۔ اِسے ہم واپسی پر بھی چیک کر سکتے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ اور وُہ اور آگے چل کر داہنی سمت گھُومتے ہُوئے کاریڈور میں گھُوم گئے۔ یہاں اُنہیں ویسا ہی ایک اور دروازہ نظر آیا۔ جس پر لکھا تھا۔ "ایٹم سائنیس" اور جلی حروف میں ہدایت لکھی گئی تھی کہ "اسٹاف کو ڈائریکٹر کی اِجازت کے بغیر داخلے کی ممانعت ہے۔"

"یہی جگہ معلُوم ہوتی ہے"۔ لڑکی نے ساتھی سے کہا ———— لیکن اِس دروازے میں بھی کوئی چابی نہیں لگی ————

"ٹھہرو۔ میں کھولتا ہُوں ۔" اُس آدمی نے لڑکی سے کہا۔

"مجھے یہ بدتمیزی کا مذاق پسند نہیں ہے۔" لڑکی نے ٹھہرو کے لفظ کا بُرا مانتے ہُوئے کہا۔

"اوہ ۔" وُہ آدمی اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر مُسکرا دیا۔ "لیکن میں اِتنا ہی بدتمیز واقع ہُوا ہُوں۔" یہ کہہ کر اُس نے لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ "بے ہُودے۔ بدمعاش۔" وُہ اُسے پیچھے دھکیلنے لگی۔ لیکن شاید اُسکے

ساتھی پر شیطان سوار ہو چکا تھا۔

"میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے۔ ایک ایسے ہی موقعہ کیلئے خُدا سے دُعائیں مانگ رہا تھا۔" وُہ اپنی گرفت اور سخت کرتے ہُوئے بولا۔ لڑکی کے گداز جسم کے اُسکے جسم سے پیوست ہونے کے ساتھ ساتھ اُسکے جذبات بے قابو ہوتے جا رہے تھے۔

"ڈاکٹر تمہیں کُتے کی موت مار کر پھینک دے گا۔ کمینے" لڑکی نے اُسے دھمکی دی۔

"اس ایک رات کیلئے مجھے کُتے کی موت مرنا بھی پسند ہے۔" اُس نے زبردستی اُسے باہوں میں بھر کر سینے سے لپٹا لیا۔ لڑکی نے آزاد ہونے کی پُوری کوشش کی۔ لیکن وُہ کافی طاقتور تھا۔ وُہ اس بے بسی میں چیخ بھی نہ سکتی تھی ورنہ چیخ باہر تک سُن لی جاتی۔ اور نہ جانے کیا ردِّ عمل ہوتا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زبردستی کی ضرورت کیا ہے۔ ہم یہاں کسی اور کام کے لئے آئے ہیں نا۔" لڑکی نے اچانک۔ اپنا لہجہ بدل کر کہا ——

"زبردستی کرنے پر تُم ہی مجبُور کر رہی ہو۔" وُہ اس کے سر کو بازو سے تھام کر اپنے چہرے سے قریب کرتے ہُوئے بولا۔ اور پھر اُس نے ایکبار اُسے زور سے سینے سے بھینچتے ہُوئے اپنے ہونٹ لڑکی کے ہونٹوں سے چپکا دیئے لیکن دُوسرے لمحے اُس کے مُنہ سے ایک سسکی نکلی اور وُہ گھبرا کر لڑکی سے الگ ہو گیا۔

"یہ کیا کیا تُم نے ——" اُس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے لڑکی کو دیکھ کر پُوچھا

"ایک وارننگ —— ورنہ ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر مجھے تمہاری لاش یہاں چھوڑ کر جانا پڑے گا ——!!"

لڑکی کا لہجہ اور خوفناک ہو گیا۔

"مگر یہ کیا چیز تھی جو میرے بازو میں چبھی ہے۔" اُس نے اپنے بازو کو ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

"صرف ایک سوئی۔" لڑکی نے ایک بھیانک مسکراہٹ کیساتھ کہا

"میں جانتا ہوں کہ شاید اسی پر جو سزا مجھے دی جائے گی وہ بہت سخت ہو گی۔ مگر میں تمہارے لئے وہ بھی بھگتنے کو تیار ہوں۔ کیا تم مجھ سے میری زندگی لے کر بھی اپنا دو گھڑی کا پیار نہیں دے سکتیں۔" اس بار مرد کے لہجے میں التجا تھی۔

"ٹھہرو۔ پہلے ہمیں وہ کام کر لینا چاہیئے۔ جسکے لئے ہم آئے ہیں۔" لڑکی نے بدلتے لہجہ میں کہا۔ اور نہ جانے کیوں اس جواب سے پُر اُمید ہو کر اُس آدمی کا چہرہ کھِل اُٹھا۔

"چلو۔ اب میں تمہارے لئے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے جیب سے ایک شیشی نکالی۔ جو بڑے احتیاط سے بند کی گئی تھی۔ اُسے ایک رومال کی مدد سے کھول کر اُس نے ایک پتلی سی نلکی کے ذریعے اُس نے دروازے کے چابی والے سوراخ میں اُسکے سیال کو تھوڑا سا اُنڈیل دیا۔ اس سوراخ سے فوراً بدبودار دھواں نکلنے لگا۔ اور پھر جیسے ہی اُس نے دو تین بار اُس کے ہینڈل کو گھُمایا دروازہ کھُل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

جدید سائنسی آلات سے لیس یہ ایک اعلیٰ پیمانے کی تجربہ گاہ تھی۔ جہاں مختلف الماریوں میں مختلف اجزا اور مرکبات رکھے ہوئے تھے۔ میز پر مختلف سامان بکھرے پڑے تھے۔ لیکن انھوں نے اُن کی طرف دھیان نہ دیا۔ داہنی سمت ایک اور دروازہ تھا۔ جسکے باہر تختی لگی تھی۔

"اِسے کھولنے کی سخت ممانعت ہے۔"
لیکن اِس کا دروازہ بھی اُنھوں نے اِسی ترکیب سے کھول ڈالا۔
یہاں انہیں ایک عجیب قسم کی نارمل فضا ملی نہ سرد نہ گرم۔ جیسے اُس کمرے کو ایک مخصوص ٹمپریچر پر رکھا گیا ہو۔ یہاں اُنہیں ایک الماری ایسی نظر آئی جسکے دروازے مضبوط اور فولاد کے تھے۔

"میں اسے کھول سکتا ہوں۔" لڑکی کا ساتھی اُس کی طرف لپکا۔ ایسی ایک الماری میں نے ایک بین الاقوامی نمائش میں دیکھی تھی اِسے نمبروں سے کھولا جاتا ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے اس الماری کے دروازے پر باریک سرخ بٹنوں پر بنے ہُوئے نمبروں میں سے مختلف نمبروں کو دبانا شروع کر دیا۔ اس کوشش میں اُسے تقریباً دس منٹ لگ گئے۔ تب جاکر کہیں اِس الماری کے پٹ کُھلے۔ اندر چار خانوں میں شیشے اور پلاسٹک کے ٹیوب رکھے تھے۔ اور اُن ٹیوبس میں بڑے قیمتی اجزا بند تھے۔ اِن میں سے ایک پر لکھا تھا × اور شیشی پر Os۔
"یہی دونوں ہیں۔" لڑکی نے خوشی سے چمکتی آنکھوں سے کہا۔
"لیکن یاس نے تو XOSL بتایا تھا۔"
"اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ دونوں جوہر (Elements) علیحدہ علیحدہ بھی ہوں تو لے آیا جائے۔" لڑکی نے کہا۔
"یُونہی سہی۔ مگر سُنا ہے یہ بڑی قیمتی چیزیں ہیں۔"
"ہمارے لئے تو بے قیمت ہی ہیں۔ کیونکہ ہم اِن کا مصرف نہیں جانتے" لڑکی نے اُکتاہٹ کے ساتھ کہا۔ لڑکی کے ساتھی نے وُہ ٹیوبس اُٹھاکر اپنی دونوں جیبوں میں ڈال لئے۔ لیکن وُہ الماری اُس سے بند نہ کیجا سکی۔ وہ اُسے اِسی طرح چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ وُہ دروازے جو اُنھوں نے اِس سیال کی مدد سے کھولے

تھے دوبارہ بند نہیں ہو سکتے تھے۔ اِس لئے اُنہیں بھی ویسا ہی چھوڑ دیا گیا۔ لیکن کاریڈور میں آکر اُس آدمی نے لڑکی کو پھر اچانک باہوں میں بھر لیا۔

"اَب تو ہمارا کام ہو چُکا ہے۔" وُہ شدّت جذبات سے کانپتی آواز میں بولا۔

"تُم جذبات میں اندھے ہو رہے ہو ——"

"میں کہہ چُکا ہُوں کہ اِس رات کیلئے میں اپنی جان تک دے سکتا ہُوں۔ تُم نہیں جانتیں کہ تمہارے لئے میں کس قدر تڑپ رہا ہُوں ——"

"تم نہیں مانو گے ——"

"اِسکے سِوا جو کہو ماننے کو تیار ہُوں۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی گرفت اُور سخت کر دی۔ اُور لڑکی اُس کے سینے سے جالگی —— لیکن اِس سے پہلے کہ وُہ دوبارہ اُس کے ہونٹوں تک اپنے ہونٹ لیجائے اُسے پھر وُہی چبھن اپنے بازو میں محسُوس ہُوئی اُور وُہ اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تُم نہیں مانو گی ——" اُس نے غرّا کر کہا۔ لیکن لڑکی مُسکرا رہی تھی۔

"آج تُمہاری موت آچکی ہے ——"

"میں نہیں ڈرتا"۔ مرد نے سر جھٹک کر کہا۔ "آج میں تُم سے وُہ سب حاصل کر کے رہوں گا جسکے لئے میں بُری طرح تڑپ رہا ہُوں۔ یہ کہہ کر اُسنے پُوری طاقت سے لڑکی کو دبوچ کر اُسے دیوار کی طرف دھکیلنا چاہا —— مگر اُسکی گرفت آپ سے آپ ڈھیلی پڑنے لگی۔ پھر اُسکے ہاتھ کانپنے لگے ——

"یہ —— یہ کیا —— کیا —— اُس نے گھبرا کر کہنا چاہا۔ مگر اتنی دیر میں پیر بھی کانپنے لگے اُور وُہ دھڑام سے فرش پر آرہا —— لڑکی نے اسکی ذرہ بھر پرواہ نہ کی کُچھ دیر بعد وُہ اُسکے ایک پیر سے تھام کر مرے ہُوئے کتے کی لاش

کی طرح گھسیٹ رہی تھی۔ جب وہ اُسے برآمدے میں لے آئی تو اُس نے کار کے ڈرائیور کو "شش" کے اشارے سے بُلایا۔ وہ کار سے اُتر کر دوڑ کر آ پہنچا۔ مگر ساتھی مرد کی یہ کیفیت اُس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"اِسے کیا ہو گیا۔۔؟" اُس نے پُوچھا۔

"دورہ پڑ گیا تھا ______"

"دورہ۔ کیسا ______؟"

سوالات کی ضرورت نہیں۔ اِسے کار میں ڈالو۔ جلدی۔" لڑکی کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا اور ڈرائیور نے اِس طرح اُس کے حُکم کی تعمیل کی جیسے اگر ذرا دیر ہُوئی تو وُہ اُسے گولی سے اُڑا دے گی۔

اِس کار کی پچھلی نشست پر ڈال کر وُہ دونوں اگلی نشست پر بیٹھ گئے۔ کار کے شیشے پہلے ہی چڑھے ہُوئے تھے۔ کار نے ٹرن لیا اور دروازے کی طرف چل پڑی جہاں اسے آتے دیکھ کر سنتری بنے ہُوئے اُنکے ساتھی نے فوراً پھاٹک کھول دیا کار کے باہر آتے ہی اُس نے پھاٹک بند کر دیا۔ لیکن اُس نے سنتری والا لباس نہیں اُتارا۔ شاید وُہ وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اُس نے جلدی سے کیبن کا دروازہ کھول کر اندر سے اپنے کپڑے نکالے اور اُنہیں ہاتھوں میں ہی لئے سنتری کی بندُوق اندر پھینک کر کیبن کو بند کرتا ہُوا کار میں جا بیٹھا۔ پھاٹک ویسا ہی بند کر دیا گیا تھا۔ اور چابیاں بھی کیبن میں پھینک دی گئیں۔ رات کے اندھیرے سناٹے میں وُہ کار جس طرح ایک تاریک سڑک سے نمُودار ہوئی تھی اُسی طرح اُس کی تاریکی میں غائب ہو گئی۔

"انسپکٹر رازی"

مرکزی خفیہ پولیس کا انسپکٹر رازی ڈاکٹر بوس کے سامنے بیٹھا ہُوا تھا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر اِس وقت تشویش کے آثار تھے۔

"میری جو بدنامی ہو گی سو ہو گی۔ لیکن سب سے زیادہ پریشانی مُجھے اِس بات کی ہے کہ وُہ جوہر کہیں غلط ہاتھوں میں پڑ کر کسی بڑی مُصیبت کا پیش خیمہ نہ بنے۔" ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔

"آپ کہتے ہیں کہ اِس کا عِلم آپ کے اور ڈاکٹر برٹ کے سوا کسی کو نہیں تھا ـــــــــــ"

"میں نے کہا نا کہ یہاں اور کوئی اِس جوہر کا نام تک نہیں جانتا ـــــ"

"پھر بھی ممکن ہے آپ نے کبھی کسی سے اِس کا ذکر کیا ہو ـــــ"

"کک ـــ کیا آپ مجھے اِس قدر غیر محتاط سمجھتے ہیں ـ" ڈاکٹر چونک کر بولا۔

"اوہ غلط نہ سمجھئے ـ آپ اِس محکمہ کے ہیڈ ہیں ـ میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہُوں ـــ مَیں تو آپ کی مدد کرنے آیا ہُوں۔" انسپکٹر رازی نے کسی قدر ادب سے کہا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن اس کے لئے مجھ سے جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔ اس جوہر کی دوبارہ دستیابی بھی تو ناممکن سی ہے۔ بڑی دقت سے ہم اسے بین الاقوامی ایٹمی معلومات کے تبادلے کے امریکی ادارے سے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔" ڈاکٹر بوس نے بتایا۔

"کیا آپ کسی پر بھی اپنے شبہ کا اظہار نہیں کر سکتے ——"

"نہ۔ میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ ڈاکٹر برٹ میرے پرانے ساتھی ہیں اُنکی نیت پر شبہ کرنے کو میں اپنی نیت پر شبہ کرلنے کے برابر سمجھتا ہوں ——"

"میں عرض کروں گا کہ آپ پھر سے دماغ پر زور دینے کی کوشش کریں۔" رازی نے اصرار کیا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس سوال پر ڈاکٹر کا چہرہ سُتا ہی رہا۔ اُسے یاد تھا کہ وہ اس بارے میں ڈاکٹر البصری سے بھی تذکرہ کر چکا ہے۔ لیکن اُس کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ اس کا اقرار کرے۔ ڈاکٹر البصری کی شخصیت شبہ سے بالاتر تھی۔ لیکن یہ بھی تو ممکن تھا کہ اس گفتگو کے دوران کسی نے اُس کے الفاظ سُن لئے ہوں۔ بڑی عجیب پوزیشن تھی۔ بہرحال اُس کی ہمت نہ ہوئی کہ سچ بول سکے۔ وہ اُس پارٹی والے تذکرے کو چھپا ہی گیا۔

"دیکھئے ڈاکٹر۔ ابھی نہ سہی ممکن ہے کسی وقت جب دماغ کو سکون ہو آپ اس بارے میں کچھ یاد کر سکیں۔ ایسا ہوا تو ہمیں اصل مجرم تک پہنچنے میں بہت کچھ آسانی ہو سکے گی۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجرم اتنے محتاط تھے کہ ہم کہیں سے اُنکے فنگر پرنٹس بھی نہیں پا سکے ہیں۔ ممکن ہے وہ دستانے پہنے ہوں پیروں کے نشانات بھی جو ملے ہیں وہ سپاٹ تلوؤں والے جوتوں کے ہیں اور ایسے جوتے آجکل عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ میں صرف اس قدر اندازہ لگا سکتا ہوں کہ وہ غالباً دو مرد تھے۔ اور اُنکے ساتھ ایک عورت رہی ہوگی

یہ تینوں نشانات برآمدے کے باہر پائے جا سکتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔"

"انسپکٹر کچھ بھی کیجیے لیکن خدا کے لئے میری عزّت بچائیے ۔۔۔۔۔۔"

"میں پوری کوشش صرف کروں گا ۔ لیکن بے ادبی معاف میں اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کچھ چھپا رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔"

"وہ ۔۔۔۔ وہ کیسے ۔؟" ڈاکٹر بوس نے خفیف سی بوکھلاہٹ کے ساتھ بے ساختگی میں کہا ۔

"آپ کے چہرے کی کیفیت ۔۔ آپ کو یقین ہو نہ ہو میں چہروں کی ریڈنگ کبھی غلط نہیں کرتا ۔۔۔۔۔۔"

بات کچھ بہکتی ہوئی سی تھی ۔ ڈاکٹر نروس ہو گیا ۔ اُس کے ماتھے پر پسینہ پھوٹ نکلا جسے رومال سے پونچھتے وقت اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔

"کیا میں آپ پر بھروسہ کر سکتا ہوں ۔۔" ڈاکٹر نے شکست خوردہ لہجے میں پوچھا ۔

"نہ کرنے کی کوئی وجہ تو نہیں ہے ۔" رازی بولا ۔

"پہلے آپ وعدہ کیجیے کہ یہ بات صرف آپ تک ہی رہے گی" ڈاکٹر نے کہا ۔

"میں وعدہ کرتا ہوں ۔۔" رازی نے سنجیدگی سے کہا ۔

"میں نے اس کا ذکر ڈاکٹر البصری سے کیا تھا ۔ بس بیساختگی میں منہ سے نکل گیا تھا ۔۔۔۔۔۔"

یہ کہکر ڈاکٹر نے اُسے پارٹی والا پورا واقعہ سنا دیا ۔ رازی سکون سے سنتا رہا ۔ پھر بولا ۔ "کیا وہاں ڈاکٹر کے علاوہ دوسرے لوگ بھی موجود تھے ۔۔۔"

"یہ میں یقینی طور پر تو نہیں کہہ سکتا ۔ لیکن اتنا مجھے یاد ہے کہ اس نشست

پر ہم دو ہی تھے۔" ڈاکٹر نے بتایا۔

"ڈاکٹر البصری آپ کے خیال میں کس قسم کا آدمی ہے ــــــــــــ"

"اوہ نہیں ــــ اُسکی شخصیت ایسے شبہات سے بہت بلند ہے۔"

ڈاکٹر نے خود ہی اُس کی تردید کی۔

"اور آپ یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کوئی دوسرا بھی قریب فاصلے پر ایسا موجود رہا ہو جسنے آپ کے الفاظ سُن لیئے ہوں۔ ــــــــ"

"جی نہیں ــــــــــــ"

"خیر مجھ سے جو کچھ بھی ممکن ہو سکا اس سلسلہ میں ضرور کروں گا لیکن میری بھی ایک تجویز ہے۔"

"فرمایئے ــــــــــــ"

"آپ اس واردات کے ساتھ یہ اعلان کر دیں کہ کوئی بے وقوف اصل جوہر کی بجائے مغالطے کے اندر رکھے گئے نقلی جوہر کو اُٹھالے گیا ہے۔ کسی قسم کی تشویش کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اصل جوہر محفوظ ہے۔ ــــــــــــ"

"لیکن اس طرح تو میں ذمہ دار ہو جاؤں گا۔" ڈاکٹر نے کہا ــــــ"

"جی نہیں۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔ آپ فکر نہ کریں۔ ــــــ"

"بہت اچھا۔ میں آج ہی یہ اعلان کرائے دیتا ہوں ــــــــ"

"تو مجھے اب اجازت دیجئے۔ اگر ضرورت ہوئی تو پھر کبھی تکلیف دونگا"

ڈاکٹر جواب دینے کی بجائے خود اُسے دروازے تک چھوڑنے آیا اور اس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کہ انسپکٹر رازی کی کار اُس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

"تم سمجھ گئے۔ تمہیں کیا کرنا ہے ——"

"یس باس —لیکن —" عدنان کہتے کہتے رُک گیا۔

"لیکن کیا۔؟" ڈاکٹر البصری نے اُسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہُوئے پوچھا —

"بہت دِن ہو گئے باس — اَب ضبط نہیں ہوتا۔ میں بہت بھُوکا ہُوں۔"

"اوہ — اچھا۔ تُم یہ کام کرکے آؤ۔ تمہاری دعوت کا انتظام رہے گا۔" ڈاکٹر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اَور عدنان نے اِس جواب سے خوش ہو کر اِس طرح دانت نِکال دیئے جیسے اُس سے کسی لعمتِ غیر مترقبہ کا وعدہ کیا گیا ہو۔

"کب کرنا ہو گا باس ——"

"آج ہی رات کو — کسی بھی قیمت پر —" ڈاکٹر نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ پھر سامنے میز پر رکھے ہُوئے جام میں قدیم مصری طرز کی صراحی سے شراب انڈیل کر اُسکی چُسکیاں لینے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں اِس وقت ایک عجیب سی چمک تھی ایک ایسی چمک جس سے خوفناک ارادہ کا اظہار ہوتا ہو۔ وُہ اپنی جگہ سے اُٹھا اَور ایک اَور پیگ چڑھا کر رُومال سے منہ پونچھتا ہُوا دُوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں دیوار میں لگی ہُوئی ایک قدِ آدم چوڑی اُلماری کا ہینڈل اُس نے تین بار گھُمایا اَور اُس کے پَٹ کھُل گئے۔ ڈاکٹر اس میں داخل ہو گیا اَور اُس نے اُسکے پَٹ بھی اَندر سے بند کر لئے۔ ایک سکینڈ بعد وہ اَلماری فرش میں دھنس رہی تھی۔ یہانتک کہ ایک لفٹ کی طرح وُہ پوری زمین میں غائب ہو گئی۔ اَور اُس کی ایک تاریک خلاء نظر آنے لگی۔ لفٹ

نما الماری ایک تاریک مُقام پر ٹھہری تھی۔ لیکن اُس کے رُکتے ہی یہ تاریک مقام ایک تیز روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اُلماری کے پٹ کھولے اور باہر نکل آیا۔ یہ ڈاکٹر البصری کی وُہ پُراسرار لیبوریٹری تھی جہاں سِوائے اُسکے جسے وُہ طلب کرے کوئی داخل ہونے کی جراٗت نہ کر سکتا تھا۔ ایک بڑی میز پر شیشے کی نلکیوں کا ایک جال بچھا ہُوا تھا۔ جن میں جگہ ویکیوم لگے تھے۔ دائیں بائیں اُلماریاں تھیں۔ غالبًا یہ لیبوریٹری اُس کے ہندوستان میں قدم رکھنے سے پہلے اُس کی منشاء کے مُطابق تیار کی جا چُکی ہوگی۔ اُس نے میز پر رکھا ہُوا وُہ شیشے کا ٹیوب اُٹھایا جس پر ۷۵۰× کا لیبل لگا ہُوا تھا۔ اور اُسے چہرے کے سامنے لاکر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس کی نظر ایک شیشے کے ویکیوم پر پڑ گئی جس کے نیچے ایک الیکٹرک چیمبر میں برقی رَو گُوندرہی تھی۔ چیمبر میں لگی ہُوئی ایک نلکی کے سِرے سے دُھواں نِکل رہا تھا۔ مگر جب اُس نے ویکیوم کو ہلا کر دیکھا تو اُس کے چہرے پر ایک اُداسی سی پھیل گئی۔ وُہ اِس جوہر کو میز پر رکھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر کچُھ یاد کر کے اُس نے داہنی سِمت کی ایک اُلماری کھولی اور اندر لگے ہُوئے ایک بٹن کو دبانے سے اُس کا درمیانی حِصّہ روشن ہو گیا۔ یہ ایک شیشے کا کیس تھا۔ اِس کے اندر ابوالہول کا ایک چھوٹا سا مجسمہ رکھا ہُوا تھا۔ وُہ چند لمحے اُسے کھڑا گھورتا رہا۔ پھر آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا۔

”اے مقدس رُوح۔ وُہ خواب جو آج سے سات ہزار سال قبل وادئ نیل کے کاہن اعظم نے دیکھا۔ اُسکے پُورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔۔۔ اے طاقت و جبروت کے دیوتا۔ دُنیا نے آج تک صِرف تیرا بُت دیکھا ہے۔ لیکن جب وُہ تُجھے دیکھے گی۔ تو حیرت و خوف سے لرز اُٹھے گی۔۔۔“ ڈاکٹر پُر جوش لہجے میں کہتا گیا اور اُس کی آنکھوں کی خوفناک چمک اور تیز ہوتی گئی۔ لیکن ایک کھٹکے کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے الماری بند کر دی اور پیچھے پلٹ کر دیکھنے لگا۔

وُہ اُس کی پالتُو بلّی تھی۔ جو ہمیشہ اِسی لیبورٹری میں رہتی تھی۔ بڑے بڑے بالوں والی سُنہری بلّی جس کی آنکھوں میں ویسی ہی تیز چمک تھی جیسی کہ ڈاکٹر کی آنکھوں میں نمایاں رہتی۔ ابھی وُہ اپنا کوٹ اُتار کر سُفید گون پہن ہی رہا تھا کہ اچانک چھت میں لگے ہُوئے ایک گول طاق میں روشنی کے جھماکے ہونے لگے۔ اُس نے میز پر رکھے ہُوئے ماسٹر فون کو آن کر کے غضیلے لہجے میں عدنان کو پُکارا۔ اور دوسرے لمحے ہی اُسے ماسٹر فون پر عدنان کی گھبرائی ہُوئی آواز سُنائی دی۔

"میرے کمرے میں کون داخل ہُوا ہے"۔ ڈاکٹر نے ماسٹر فون پر پُوچھا۔

"مجھے عِلم نہیں باس ـــ مَیں ابھی دیکھتا ہُوں ـــ" عدنان کی آواز آئی۔

ڈاکٹر خاموش کھڑا رہا۔ اُسے عدنان کے جواب کا اِنتظار تھا۔ تقریباً دو منٹ کے بعد ہی ماسٹر فون سے پھر عدنان کی آواز سُنائی دی۔

"باس ـــ شیلی آپ کے کمرے میں تھی ـــ کیا حُکم ہے۔ مَیں نے اُسے تھام رکھا ہے"

"شیلی ـــ" ڈاکٹر گرجا ـــــــــــــــ

"یس باس ـــ" شیلی کی لرزتی آواز سُنائی ـــــــــــــــ

"بغیر اجازت میری آرام گاہ میں کیوں داخل ہُوئیں تُم ـــــــ"

"آپ سے کُک ـــ کُچھ ـ پپ ـ پُوچھنے گئی تھی"۔ شیلی نے گھبراہٹ میں کہا۔

"میرے سامنے جھوٹ بولنے کی سزا تُم جانتی ہو ـــ" عدنان اِسے چھوڑ دو ـــ میں صِرف ایک بار تمہیں معاف کر رہا ہُوں شیلی ـــ" اُس نے یہ کہہ کر ماسٹر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اِس کے بعد وُہ میز پر آ کھڑا ہُوا ۔ اور اُس ٹمبیر کو ہلانے لگا جس میں سیّال تھا۔

شیلی رازی کا کارڈ دیکھتے ہی گھبرا سی گئی ـــــــــــــــ

بھی شیلی کی کیفیت کا مطالعہ کر رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر تک خاموش رہی۔ شاید اپنی حالت پر قابو پا لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے خود ہی کہا۔

"اگر آپ جانتے ہیں تو اُنہیں پکڑ کیوں نہیں لیتے۔؟"

"ہم اُس اصل شخصیت کو جاننا چاہتے ہیں۔ جسکے ایما پر یہ حرکت کیگئی ہے۔ یا وہ جو اس واقعہ کی پُشت پر ہے ——"

"آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں ۔" ایک آواز نے اچانک درمیان میں مداخلت کر کے رازی کو چونکا دیا۔ وہ پلٹ کر اس گٹھیلے جسم پستہ قد پُر اسرار آدمی کو دیکھنے لگا۔ وہ ڈاکٹر البصری تھا۔ رازی احتراماً کھڑا ہو گیا ——

"بیٹھے رہیئے بیٹھے رہیئے ۔" ڈاکٹر قریب آتے ہوئے بولا اور پھر خود بھی رازی کے سامنے ہی دوسری بید کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شیلی مہمان کیلئے کچھ چائے وغیرہ کا بندوبست کرنا تھا ۔" اُس نے مُسکرا کر شیلی سے کہا اور وہ "جی" کہتی ہوئی فوراً وہاں سے چلی گئی۔

"جی ۔ وہ بات اصل یہ ہے کہ ہمارے ایٹمی ریسرچ انسٹیٹوٹ سے ایک قیمتی جوہر چوری ہو گیا ہے۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ اصل کی جگہ نقلی جوہر چُرایا گیا۔ ورنہ وہ ایسی چیز تھی جس کا دوبارہ دستیاب ہونا ہی مشکل تھا۔ رازی کسی سادہ لوح احمق انداز میں کہتا رہا۔ اور ڈاکٹر بوس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ ——"

"ٹھہریئے آپ x5 کے بارے میں تو نہیں کہہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا ۔" رازی چونک پڑا ——

"اُنھوں نے مجھ سے اِس کا ذکر بھی کیا تھا۔ ابھی پرسوں ہی ہم ایک پارٹی

ہیں ملے تھے۔" ڈاکٹر البصری نے سادگی سے کہا۔ "لیکن۔" وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

"لیکن ۔۔؟" رازی نے سوالیہ انداز میں دوہرایا۔

"انہیں ایسی قیمتی شے کے متعلق اِتنا غیر محتاط نہ ہونا چاہئیے تھا کہ بھری مجلس میں اِس کا ذکر کر بیٹھیں ۔۔ معاف کیجئے گا۔ مجھے تو یہ بات اُسی وقت کھٹکی تھی۔ لیکن میں نے اخلاقاً مناسب نہ سمجھا کہ انہیں ٹوکتا۔۔۔۔۔۔۔"

"ویسے آپ کو بھی تو کسی تجربہ کے سلسلے میں اِسی جوہر کی ضرورت تھی۔" رازی نے اِتنی سادگی سے یہ جملہ ادا کیا جیسے محض روانی میں کہہ گیا ہو۔

"مجھے ۔۔؟۔" ڈاکٹر حیرت سے اُچھل سا پڑا۔ "نہیں تو۔۔ یہ کس نے کہا آپ سے۔۔۔۔۔۔؟"

"ڈاکٹر بوس ہی شاید ذکر کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔"

"دیکھئے صاحب۔۔ ڈاکٹر بوس آپ کے مُلک کی ایک معزز ہستی ہیں اور میں اُن کا احترام بھی کرتا ہوں۔ لیکن میں اِس قسم کی جھوٹ کسی ایسے آدمی کے مُنہ سے سُننے کی توقع نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔۔"

ڈاکٹر کا موڈ خوشگوار ہو گیا۔

"آپ یقین کیجئے اُنھوں نے ایسا ہی بتایا تھا۔ مجھے کیا ضرورت جو اپنی طرف سے کوئی ایسی بات کہہ ڈالوں جس کے بارے میں مَیں کچھ بھی نہیں جانتا۔۔؟"

"تب تو مجھے افسوس ہے۔ آپ جس طرح چاہیں سمجھ لیں۔ لیکن یہ بات قطعی غلط ہے۔ مجھے کسی ایسے جوہر کی ضرورت تھی یا میں کوئی ایسا تجربہ کر رہا ہوں مجھے ایٹم سائنس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ میں علم الابدان اور تخلیقی سائنس کا شوقین ہوں۔ اور یا شاید۔۔ مگر نہیں۔۔ میں ایسا نہیں سوچ سکتا۔" یہ کہتے ہوئے اُسنے خود ہی سر کو جھٹکا دیا۔ جبکہ رازی چونک کر اُس کی صورت دیکھنے لگا۔

"آپ کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔"

"اوہ نہیں۔ مجھے کچھ کہنا نہ چاہیئے۔ مگر مجھے یہ سوچنے کا حق ضرور ہے۔ کہ ڈاکٹر بوس نے میرے متعلق ایسا جھوٹ کیوں بولا۔" ڈاکٹر العبری کا لہجہ شک اور افسوس میں ڈوبا ہُوا تھا۔ رازی کچھ دیر خاموش رہا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"بہرحال۔" ڈاکٹر نے پھر خود ہی کہنا شروع کیا۔ "آپ کیونکہ ایک پولیس افسر ہیں۔ اور میں ہر مُلک کے قانون کا احترام کرتا ہوں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ آپ میری اس عمارت کی جس طرح چاہیں تلاشی لے لیں تاکہ جس شبہ میں آپ کو ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے وہ بھی رفع ہو جائے۔ اور ممکن ہے اس طرح آپ کو کوئی صحیح نظریہ قائم کرنے میں مدد مل سکے۔" ڈاکٹر نے یہ جملہ اتنی سنجیدگی اور حلاوت سے کہا کہ رازی کو تکلف میں مُبتلا ہو جانا پڑا۔

"جی۔ اس کی ضرورت تو نہیں ہے۔ لیکن کیا کروں میرا فرض ہے ۔۔۔"

"قطعی نہیں جناب۔ مَیں ذرّہ بھر بُرا نہیں مانوں گا۔ آپ شوق سے تلاشی لیں۔" ڈاکٹر نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔ ساتھ ہی تالی بجائی جیسے سُن کے وہی گنجے قسم کا گونگا بہرا مُلازم آ پہونچا جو ڈاکٹر کو پسند نہ تھا۔ مگر جسے اُس کے ہندوستانی نائبوں نے رکھ لیا تھا۔ وُہ ادب سے سر جُھکا کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر کو اُسے متوجہ کرنے کیلئے دوبارہ تالی بجانی پڑی۔ جب اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ڈاکٹر نے اشارے سے کوئی ہدایت کی جس کا مفہوم سمجھ کر اُس نے سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی شیلی وہاں موجود تھی۔

"دیکھو شیلی۔ آپ یہاں کی تلاشی لینا چاہتے ہیں انکی مدد کرو اور انہیں یہاں کا گوشہ گوشہ دکھا دو۔" ڈاکٹر نے اُسے ہدایت کی۔

"جی ۔" شیلی نے مُردہ سی آواز میں کہا۔

"آپ کی لیڈی سیکرٹری پولیس کے نام سے کچھ خائف سی معلوم ہوتی ہیں۔" رازی شیلی کی طرف دیکھ کر مُسکراتے ہُوئے ڈاکٹر سے بولا۔

"جی ہاں۔ یہ اِن کی کمزوری ہے۔ دراصل مِصر میں کسی معاملے میں جس سے اِن کا کوئی تعلق نہ تھا وہاں کی پولیس نے محض شبہ کی بناپر اِنہیں کافی پریشان کیا تھا۔ تب سے یہ پولیس کے نام سے بھی ڈرتی ہیں۔" ڈاکٹر نے شیلی کی طرف سے اُس کے خوف کی بھی وضاحت کردی۔ اَور نہ جانے کیُوں رازی کے چہرے پر کچھ اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ ڈاکٹر نے دونوں پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اَور صوفے سے اُٹھ کر جس دروازے سے آیا تھا۔ اُسی سے باہر نکل گیا۔

"میں دیکھ رہا ہُوں کہ ڈاکٹر صاحب کی اِس وضاحت کے باوجُود آپ اُداس ہیں۔" رازی نے اُٹھتے ہُوئے شیلی سے سوال کیا۔

"جی۔" وُہ چونک سی پڑی۔ "نہیں تو۔۔۔ دراصل مجھے اپنا وطن یاد آرہا تھا...... میرا مطلب ہے آپ کو دیکھ کر وہاں کی پولیس یاد آئی۔ اَور اِسکی وجہ سے اپنا وطن۔"

اُس نے اپنا مُوڈ خوشگوار بنانے کی کوشش میں مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"خیر۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لُوں گا۔" رازی نے بھی مُسکرا کر جواب دیا۔

"آئیے۔" وُہ اُس کی رہنمائی کرنے لگی۔

نہ جانے کیُوں اَب رازی اِس عمارت کے ہر کمرے کی سرسری نظر سے تلاشی لے رہا تھا۔ لیکن جس کمرے میں ممی کا تابُوت رکھا تھا وہاں وُہ غدنان کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"یہ کون ذات شریف ہیں؟" رازی نے اُسکی طرف اِشارہ کرکے شیلی سے پُوچھا۔

"یہ ڈاکٹر البصری کا بہت پُرانا خادم ہے۔ افریقی نسل سے اور بہت وفادار آدمی ہے۔ وُہ اسے ہمیشہ ساتھ رکھتے ہیں ــــــــــــ"

"کافی خوفناک سی شکل پائی ہے۔"

"اِس قبیلے کے لوگ بالعموم ایسے ہی ہوتے ہیں ــــــــــــ" یہ کہتی ہُوئی دانستہ وُہ اِسے اُس تابُوت کے نزدیک لے گئی۔ حالانکہ خود اُس نے نظر دوسری طرف کر رکھی تھی۔ رازی تابُوت کو دیکھ کر رُک ہی گیا

"اور یہ کیا ہے۔ ــــــــــــ"

"اِس میں ایک مِصری ممی ہے ــ دیکھینگے آپ ــ؟" شیلی نے اُس سے پُوچھا۔

یہ سوال کرتے ہُوئے خود اُس کی آواز میں لرزش سی پیدا ہو گئی تھی۔

"نہیں مجھے ایسی چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے۔" رازی نے لاپرواہی سے کہا۔ اور اُس نے دیکھا کہ شیلی کے چہرے پر اُداسی کی سی لہر دوڑ گئی۔ رازی نے یا تو اس پر غور نہیں کیا۔ یا دیکھا بھی ہو تو اُسے نظر انداز کر گیا۔

تھوڑی دیر ہی میں وُہ تمام عمارت گھوم کر واپس آ گئے۔ رازی نے دوبارہ ڈاکٹر سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر نہ کی۔ البتہ جب وُہ شیلی سے رُخصت ہونے لگا تو ایک بار دونوں کی نگاہیں ٹکرا گئیں۔ وُہ کچھ دیر تک ایک دوسری کی آنکھوں میں جھانکتے رہے اور رازی یہ اندازہ لگائے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی کنول جیسی کھُلی شفاف آنکھوں میں ایک ویرانی سی جھلک رہی ہے۔ جیسے اُن کی چمک پھیکی پڑ گئی ہو۔ جاتے جاتے اُس نے اپنی کارتک

پہنچ کر ایک بار پھر شیلی کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ وُہ برآمدے میں کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وُہ اپنی کار ڈرائیو کرتا ہُوا احاطے سے باہر نکل گیا۔

"اَغوا"

اِس وقت رازی ایک مجبُور سی ذہنی اُلجھن کا شکار تھا۔ بظاہر معاملات زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ لیکن وُہ جانتا تھا کہ یہ کیس کس قدر اہم ہے جس کے لئے سیکرٹ سروس تک حرکت میں آ گئی ہے۔ اور یہ سب کُچھ اس قدر جلد ہُوا ہے۔ کہ اِس کے لئے محکماتی سلسلے کا بھی لحاظ نہیں کیا گیا۔ انسپکٹر رازی کو صبح ۹ بجے اچانک ہی سی بی آئی کے ڈپٹی چیف کی طرف سے فون پر ہدایت ملی تھی اور وُہ گیارہ بجے ہی دہلی سے طیارے کے ذریعے روانہ ہو گیا تھا۔ باقی حالات اُسے ڈاکٹر بوس سے معلُوم ہُوئے تھے۔ انسٹیوٹ کے سنتری نے جو بیان دیا تھا وُہ اِتنا ہی تھا کہ وُہ کھڑا پہرہ دے رہا تھا کہ کسی نے اچانک پیچھے سے اُس کا مُنہ بند کر کے اُس کی ناک پر ایک رُومال یا کوئی چیز لگا دی جس سے بہت تیز خوشبو آ رہی تھی پھر اُسے چکر آنے لگے اور وُہ گر پڑا۔ اُس کی جب آنکھ کھُلی تو سویرا ہو رہا تھا۔ مگر انسٹیٹوٹ کا دروازہ اُسی طرح مقفل تھا۔ پھر اُس نے اِن دروازوں کا معائنہ کیا۔ جنکے سُوراخ کسی ایسے سیال سے جلا دیئے گئے تھے جکی

تیزابیت اِسٹیل کو بھی گلا دے۔ یہ کام کسی معمولی گروہ یا معمولی مجرم کا نہیں ہو سکتا تھا۔ سوائے اِس کے جو اعلیٰ پیمانے کے سائنٹفک ذرائع کا اہل ہو۔ اور ایسا آدمی یا تو کوئی موجد قسم کا سائنسداں ہونا چاہیئے تھا۔ یا اس کا آلۂ کار یا پھر کوئی ایسا مجرم جسکے ہاتھ کوئی ایسی چیز لگ گئی ہو۔ لیکن جو اِس کے ساتھ ساتھ اِس جوہر کی اہمیت و قدر قیمت سے واقف ہو۔ اور ایک ایسی شخصیت یا گروہ کا سُراغ لگا لینا اِتنا آسان نہ تھا۔ کہ مجرم ایسے ذرائع کے حامل ہوتے ہوئے بُہت چالاک، اور محتاط رہے ہونگے۔ اُس کی نظر ڈاکٹر بوس کے بیان کے بعد ڈاکٹر البصری پر ہی پڑی تھی۔ لیکن ڈاکٹر البصری نے جس سادگی اور سنجیدگی سے اُس سے گفتگو کی تھی۔ اور ڈاکٹر بوس کے بیان کے ایک حصّے کو سچ اور دوسرے کو جھوٹ قرار دیتے ہوئے اُسی وقت اپنی قیام گاہ کی تلاشی بھی دے دی تھی۔ اُس سے رازی کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہیں ڈاکٹر بوس نے ہی تو سب کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے ایک سوچے سمجھے پلان کی تحت ایسے انتظامات کیئے ہوں۔ جس سے کام بھی ہو جائے اور قانون مجرم کی تلاش میں اِس سے دُور رشتہ افراد کے پیچھے دوڑتا پھرے۔ ڈاکٹر بوس کو ہی علم تھا کہ وہ جوہر کیا ہے۔ کہاں ہے اور کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اِن متضاد بیانات نے اُسے اُلجھن میں ڈال دیا تھا ——————

پولیس ہیڈ کوارٹرز میں تھوڑی دیر ٹھہر کر وُہ رٹز ہوٹل روانہ ہو گیا۔ اِسی ہوٹل کی پہلی منزل پر وُہ ایک دواساز کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا تھا۔ ابھی وُہ اپنے کمرے میں پہنچکر کپڑے ہی اُتار رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اُس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ ہوٹل کا ایک اٹنڈنٹ اُسکے سامنے کھڑا تھا۔

"ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں" ۔ اُس نے کہا۔

"مجھ سے ۔؟" رازی چونکا ۔ "اچھا بھیجدو انہیں"۔

آنے والا اُس کیلئے انجانا نہیں تھا ۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرا دیا ۔

"ڈیسوزا صاحب ۔ آپ ۔ ـــــــــــــــــ"

"آخر ڈھونڈھ ہی نکالا نا میں نے" انسپکٹر ڈیسوزا بے تکلفانہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ۔

"دراصل ایک خاص کام کے لئے اچانک آگیا تھا یہاں ـــــــــ"

"مجھے معلوم ہے اور میرے محکمہ کو بھی اس کی طرف رجوع کیا گیا ہے ـــ" ڈیسوزا نے بتایا ۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت معمولی طریقے سے ایک بہت بڑی بات ہو گئی ہے "۔

رازی نے مسکرا کر جواب دیا ۔

"لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کام انسٹیٹیوٹ کے ہی کسی فرد کا ہے یا باہر کے کسی واقف کار کا" ڈیسوزا نے سوچنے والے انداز میں چھت کو گھورتے ہوئے کہا ۔

"کیوں ۔ کیا ڈاکٹر بوس کا بیان نہیں لیا ـــــــــ ؟"

"بیان ـــ ڈاکٹر بوس کا پتہ ہی کہاں ہے ـــ وہ شام سے لاپتہ ہیں ۔ دو بار میں خود فون کر چکا ہوں اور ان کے جائے رہائش پر آدمی بھی بھیجا گیا ۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں لوٹے ـــ"

"ڈاکٹر بوس لاپتہ ہیں ۔؟" رازی نے حیرت سے دوہرایا ۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ شام سے وہ کہیں گئے ہوئے ہیں اور کسی کو بتا کر بھی

نہیں گئے ۔"

"تو اس کا مطلب گمشدگی تو نہیں ۔ آدمی کی بہت سی باتیں پرائیویٹ ہوتی ہیں ۔ جنہیں وہ کسی خاص آدمی کو بھی نہیں بتاتا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"بہر حال میں نے یہی سوچا کہ آپ جب اس سلسلے میں دلچسپی لے رہے ہیں تو آپ نے ڈاکٹر کا بیان لیا ضرور ہوگا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"ہاں ۔ لیکن انھوں نے وہی بیان مجھے بھی دیا جو دوسروں کو دیا ہے ۔ یعنی نہ کسی پر شبہ کر رہے ہیں نہ رائے زنی ۔ بس اتنا ہی کہ وہ جوہر اپنے مقام سے غائب ہے ۔"

"بھئی یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی ۔ آپ نے کوئی نہ کوئی نظریہ تو قائم کیا ہی ہوگا ۔۔۔۔"

"شاید اب میں صبح تک کوئی نظریہ قائم کر سکوں ۔ ویسے بہتر یہی ہوگا کہ آپ ڈاکٹر سے خود ملنے کی کوشش کریں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"وہ تو میں کروں گا ہی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"اور اتنا میرے لئے بھی کر دیجئے تاکہ آپ کو جس وقت ڈاکٹر کی واپسی کا علم ہو مجھے فون پر اطلاع کر دیجئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں ۔" وہ یہ کہہ کر اٹھنے لگا ۔ مگر رازی نے اسے زبردستی بٹھا لیا ۔ اور گھنٹی بجا کر بیرے کو بلا کر اسے چائے وغیرہ کا آرڈر دیا ۔

ڈاکٹر طوس کو خود آج کے واقعے سے اس قدر الجھن تھی کہ وہ پل بھر چین سے نہ بیٹھ سکے ۔ معاملہ ذمہ داری کا تھا اور ظاہر ہے کہ اس واردات کی تمام تر ذمہ داری ان

رہی تھی ۔ نہ وُہ اس جوہر کا کہیں تذکرہ کرتے نہ یہ بات ہوتی ۔ انہیں بہرحال ڈاکٹر البصری پرشُبہ نہ تھا۔ اور یہ بھی حقیقت تھی کہ وُہ کسی کو شُبہ کے لائق سمجھنے سے محض اس لئے قاصر تھے کہ نہ تو کبھی کسی ایسے واقعے سے اُن کا سابقہ پڑا تھا نہ ہی اُن کی نیک نیتی کسی کو بلا جانے بُوجھے مُوردِ الزام قرار دینا گوارا کر سکتی تھی ۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ ڈاکٹر بوس کی بیوی اپنے بھائی کے یہاں مہمان چلی گئی تھیں ۔ ورنہ ڈاکٹر کی پریشانی سے سارا گھر پریشان ہو کر رہ گیا ہوتا ۔

تقریباً شام کو ۶½ بجے جب وُہ برآمدے میں ٹہل رہے تھے ایک اجنبی اُن کے بنگلے میں داخل ہُوا ۔ اگر وہ اس وقت ذہنی طور پر پریشان نہ ہوتے تو شاید اُنہیں اُس کی شکل کچھ پہچانی ہُوئی سی معلوم ہوتی ۔ ڈاکٹر سوالیہ نظروں سے اُس کی شکل دیکھنے لگا ۔

"ڈاکٹر ــــ مجھے آپ سے کچھ بہت ضروری گفتگو کرنی ہے ۔" وہ آتے ہی بولا

"کس بارے میں ۔ آپ کون ہیں؟ جلدی بتائیے ۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں ۔" ڈاکٹر نے ذہنی انتشار کے عالم میں کہا ۔

"شاید میں آپ کی پریشانی دُور کر سکوں ۔ لیکن یہ یہاں ممکن نہیں ــــ"

"میں سمجھا نہیں ــــــ"

"اگر آپ مجھ پر بھروسہ کریں تو میرے ساتھ چلئے ــــــ"

"ہم ۔ مجھے چلنا ہوگا ۔"

"جی ــــ"

"اچ ــ چھا ـ" ڈاکٹر نے بے چارگی کے عالم میں کہا ۔ دراصل اس وقت اسکی قوت فیصلہ کچھ کام نہیں کر رہی تھی وُہ اجنبی کو تھوڑی دیر انتظار کرنے کی ہدایت کر کے چلا گیا ۔ اور جب لوٹا تو لباس تبدیل کر چکا تھا ۔ دروازے کے باہر ایک پُرانی

سی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اجنبی نے جب اس کار میں بیٹھنے کی ہدایت کی تو پہلے تو وہ ہچکچایا۔ لیکن بعد میں بیٹھ گیا۔ اور کار اسٹارٹ ہوگئی۔

"لرزہ خیز دعوت"

رات کے تقریباً گیارہ بجے ایک لمبی ڈیسوٹو کار ڈاکٹر البصری کی رہائش گاہ میں داخل ہوئی۔ دروازے پر موجود دربان نے جلدی سے دروازہ کھولدیا پورٹیکو میں پہنچ کر کار رُک گئی۔ اور اُس میں سے دو آدمی اُترے۔ ایک تو عدنان تھا۔ اور دوسرا ڈاکٹر کا ہندوستانی نائب۔ اُنھوں نے کار کی ڈکی کھول کر اندر سے ایک تھیلا نکالا۔ اور عدنان اُسے کاندھے پر لے کر برآمدے میں داخل ہوگیا۔ برآمدے میں اُسے شیلی نظر آئی۔

"باس تمھارا کب سے انتظار کر رہے ہیں۔" اُس نے کہا ———

"آ تو گیا ہوں۔" عدنان نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہ تھیلا اُس کے سامنے ڈال دیا۔ اور پھر اُسے کھولنے لگا۔

"جیکی کہاں ہے۔" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"میرے ساتھ ہی آیا ہے۔" وہ اُسے کھولتے ہُوئے بولا۔

اِس تھیلے کے اندر سے ایک انسانی جسم برآمد ہُوا۔ جسے دیکھ کر ڈاکٹر البصری کے ہونٹوں پر ایک خوفناک سی مُسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ ڈاکٹر یوسف تھا۔ جسکے پیر بھی بندھے ہُوئے تھے۔

"کام پُورے احتیاط سے ہُوا ہے نا۔ ــــــــــــ"

"یس باس ۔"

"بس اِس کی گمشدگی یہ ثابت کر دے گی کہ یہ جوہر اِسی نے چُرایا ہے اور رُوپوش ہو گیا ہے۔"

ڈاکٹر البصری بڑبڑایا۔

"باس ۔ آج ۔ آپ نے ۔" عدنان کہتے کہتے رُک گیا۔

"اوہ ۔ اچھا وُہ گونگا ۔" ڈاکٹر نے اشارے میں اُس سے کُچھ کہا۔

"باس وُہ گنجا ہے ۔ میں بھی گنجا ہو جاؤں گا ــــــــــــ"

"خیر ۔ جیکی ہہی ۔ مَیں اُسے تمہارے کمرے میں بھیجدوں گا۔ لیکن خبردار جو کوئی بے احتیاطی ہُوئی ۔ ــــــــــــ"

"نہیں باس ۔ عدنان نے آپ کی خدمت میں رہ کر محتاط رہنا سیکھ لیا ہے۔"

"تو جاؤ ۔ اِس کو نیچے ڈال دو ۔ بڑے پنجرے میں ۔ ــــــــــــ"

"بہت خوب۔" عدنان یہ کہہ کر سامنے سے چلا گیا۔ اِس کے جانے کے بعد ہی ڈاکٹر نے شیلی کو آواز دی جو قریب ہی تھی اِسلئے فوراً آ پہنچی۔

"جیکی کہاں ہے؟" ڈاکٹر نے پُوچھا۔

"باہر موجود ہے۔ برآمدے میں۔"

"اُسے عدنان کے پاس بھیجدو آج کی رات ۔" ڈاکٹر کے لہجے میں اتنی ہی

لاپرواہی تھی جیسے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔ لیکن شیلی اُس کا مفہوم سمجھ کر سرتا پا لرز اُٹھی۔ اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہر دس پندرہ دِنوں پر ایسا ایک رونگٹے کھڑے کرنے والا واقعہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن وہ صرف کانپ کر رہ جاتی۔ اِس کی روح اِس خیال سے لرز اُٹھتی کہ خدا نہ کرے کہ کہیں شکیل کے ساتھ بھی ڈاکٹر وہی سلوک نہ کر بیٹھے۔ اور ایک بھائی کی محبت ایک بہن کا کلیجہ مسوس کر رکھ دیتی۔ یہ بھیانک فرض اُسے سونپا جا رہا تھا اور وہ مجبور تھی۔

"مگر باس — جیکی تو آپ کا وفادار —" اُس نے ڈرتے ڈرتے کہنا چاہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کے یہاں سے جانے کے بعد یہاں میرے زیادہ رازدار رہ جائیں"۔

"لیکن جیکی —— اُس نے پھر ایک بار کچھ کہنے کی کوشش کی۔ مگر ڈاکٹر کا موڈ بدل گیا۔ وہ اِس قسم کی جرأت کو پسند نہ کرتا تھا۔

"میرے فیصلوں میں دخل دینے کی تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟" اُس نے خوفناک لہجے میں شیلی سے پوچھا اور شیلی کا رنگ اُڑ گیا۔

"نہیں باس — میں تو — میں تو —" کہتے کہتے اُس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"جاؤ اپنا کام کرو —" ڈاکٹر نے اُس کی بات کاٹ دی اور پھر اپنی مخصوص نشست گاہ کی طرف چل دیا۔ شیلی کا دِل اس وقت بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اُسے اِس وقت ڈاکٹر کے ایک ایسے حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ جس کا تصور بھی اِنسان کو لرزا دیتا۔ لیکن سہیل — اُس کی زندگی تو ڈاکٹر کے ہی رحم و کرم پر ہے۔

وہ جب برآمدے میں پہنچی تو جیکی ایک بید کی کرسی پر نیم دراز سگار کے کش لے رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ آج کے کام سے خوش ہو کر ڈاکٹر اُسے کچھ انعام ضرور دے گا۔

"جیکی۔" اُس نے مدّھم آواز میں اُسے ٹوکا۔

"آہا۔ شیلی۔ تم؟"۔ وہ پلٹ کر اُس نے پوچھنے لگا شیلی کو اُس کی یہ بے تکلّفی اچھی نہیں لگی۔ لیکن نہ جانے کیوں آج اُس نے اس کا بُرا بھی نہ مانا۔

"اگر گستاخی نہ ہو تو مَیں کچھ کہوں۔" اُس نے شیلی کو سحر زدہ نظروں سے تکتے ہُوئے کہا۔

"کیا۔؟" بے خیالی میں شیلی سوال کر بیٹھی۔

"آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اُس کا لہجہ جذباتی تھا۔

"ہو سکتا ہے۔" شیلی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "لیکن باس کا حکم ہے۔ کہ تم آج عدنان کے ساتھ رہو۔" وہ ڈوبتی سی آواز میں بولی۔

"عدنان کے ساتھ۔؟ کیوں۔؟" جیکی نے سوال کیا۔

"شاید اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" شیلی نے اُس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"اوہ۔ تو یہ تیمارداری بھی میرے فرائض میں داخل ہے۔" جیکی کا لہجہ شکایتی تھا۔

"آخر تو وہ ہمارا ساتھی ہے۔" شیلی نے کہا اور پلٹ کر جس دروازے سے آئی تھی اُسی میں غائب ہو گئی۔ جیکی کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر اپنا کوٹ سنبھالتا ہُوا وہ عدنان کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

عدنان اپنے کمرے میں ہی تھا۔ وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ لیکن جیکی کو سامنے آتا دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک نُمایاں ہو گئی اور دانت باہر نکل پڑے۔ وہ تیزی سے اپنے بستر کی طرف لپکا اور پلنگ پر گر کر اُس نے چادر تان لی۔ صرف اُس کا سَر اور چہرہ کھلا ہُوا تھا۔ جیکی اپنی دُھن میں سیٹی بجاتا ہُوا اُس کے کمرے میں داخل ہُوا۔ مگر اس طرح بستر پر پڑے دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"جیکی دروازہ اندر سے بند کردو۔ مجھے سردی لگ رہی ہے ۔" عدنان نے وہیں لیٹے لیٹے کانپتی آواز میں اُس سے کہا۔ اور جیکی نے دروازہ بھیڑ دیا۔

"ہنہ بند کردو۔ ہوا کے زور سے بار بار کھل جاتا ہے ۔" عدنان نے دوبارہ فرمائش کی۔ اور جیکی نے کچھ نہ سوچتے ہوئے دروازہ کی سٹکنی لگادی۔ وہ اب اپنا کوٹ پاس پڑی ایک کرسی پر ڈال کر اُس کے پلنگ کے قریب آگیا۔ اس وقت عدنان کی سانس زور زور سے چلنے لگی۔ اور اُس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں جیسے وہ اپنے حلقوں سے اُبل پڑینگی۔ اسکی یہ کیفیت دیکھ کر جیکی گھبرا گیا۔

"کیا بات ہے عدنان ۔" اُس نے محبّت اور ہمدردی کے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اندر سے بخار میں پھنک رہا ہوں ۔ دیکھو۔ میرا ماتھا دیکھو کیسا تپ رہا ہے۔" عدنان نے لرزتی آواز میں کہا۔ مگر جیکی جیسے ہی اُس کا ماتھا ہاتھ سے چھونے کے لئے جھکا۔ اچانک عدنان کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن پر پہنچ گئے۔

"ارے یہ ۔ کیا ۔" اُس کی آواز حلق میں ہی گھٹنے لگی۔

لیکن عدنان کی گرفت اور سخت ہوتی گئی۔ اُسکے مُنہ سے کسی جنگلی بھینسے کے بھینکار جیسی آواز نکل رہی تھی اور آنکھوں کی خوفناک چمک تیز تر ہوتی جارہی تھی۔ جیکی اچانک کوئی بچاؤ نہ کرسکا۔ تھوڑی دیر میں ہی اُسکے ہاتھ پیر ڈھیلے ہوگئے۔ عدنان نے اُسے زمین سے گرالیا۔ اور اسکے سینے پر سوار ہوگیا۔ پھر دوسرے لمحے عدنان کی کمر سے ایک چمکتا خنجر نکلا اور جیکی کی بھیانک چیخ کمرے میں گونج اُٹھی عدنان اُسے کسی بکرے کی طرح ذبح کررہا تھا ۔ وہ بکرا ہی تھا جسے عدنان کی دعوت کے لئے آج ڈاکٹر نے بھیجا تھا۔ عدنان پاگلوں کی طرح اُس کے کٹے نرخرے سے مُنہ لگا کر اُس کا خون پی رہا تھا۔ پھر وہ اس خون کو اپنے جسم پر مل کر ناچنے لگا۔

آج اُس کی دعوت تھی۔

ڈاکٹر بوس کی گمشدگی نے اِس شبہ کو اور تقویت بخشدی کہ کہیں اِس جوہر کی گمشدگی خود ڈاکٹر بوس کی ہی کوئی چال نہ رہی ہو۔ اور اِس کی تلاش کے بعد ناکام ہوکر پولیس کے حلقے یہی سوچنے لگے تھے۔ خاص طور سے ڈیسوزا کا تو یہی خیال تھا۔ مگر رازی کا اِس معاملے میں بالکل خاموش تھا۔ اُس نے اس واقعے پر کسی قسم کی رائے ظاہر کرنے سے انکار کردیا تھا۔ پولیس کیلئے اب دوہرا کام ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر بوس کی تلاش اور اس جوہر کے چور کا سُراغ۔ بظاہر یہ دو مختلف واقعات خفیہ پولیس کی ڈائری پر تھے۔ لیکن ڈیسوزا ایک ہی لائن پر سوچ رہا تھا۔ یعنی دونوں واقعات کا تعلق ڈاکٹر بوس کی ہی ذات سے ہے۔ اور اِس لئے ڈاکٹر بوس کی تلاش ہی پہلا کام ہے۔ لیکن رازی نے اُسے ڈاکٹر بوس اور ڈاکٹر البصری کی گفتگو سے متعلق کچھ نہ بتایا تھا۔ ڈاکٹر بوس کی پچھلی مصروفیتوں کے بارے میں ڈیسوزا کو خود ڈاکٹر کی بیوی سے ہی یہ معلوم ہُوا تھا کہ وُہ استقبالیہ پارٹی میں شرکت کیلئے گیا تھا۔ بعد کی تفتیش سے اُسے یہی معلوم ہوسکا کہ ڈاکٹر البصری کے ایک دوست نے اُن کی آمد کی خوشی میں یہ دعوت دی تھی۔ اور دوست کا نام جیکسن تھا جو ایک چھوٹی سی کیمیکل فرم کا مالک تھا۔ اِسے لوگ جیکی بھی کہتے تھے۔ لیکن اُس کی فرم برائے نام ہی تھی۔ اور اسکی آمدنی کے ذرائع نامعلوم تھے۔ انسپکٹر ڈیسوزا کی یہ تحقیقات اُدھوری ہی رہ گئیں کیونکہ درمیان میں ایک اور مسئلہ اُٹھ کھڑا ہُوا ــــــــ جیکی بھی پچھلے چھتیس ۳۶ گھنٹوں سے لاپتہ تھا۔ اور جہاں جہاں اُس کے ملنے کے امکانات تھے اُسے تلاش کیا جاچکا تھا۔ خود ڈاکٹر البصری کی قیامگاہ پر بھی پولیس اُسے تلاش کرچکی تھی اور وہاں بھی اُسے یہی معلوم ہوا کہ جیکی ۳۶ گھنٹوں سے یہاں نہیں آیا۔

رائے راجرز اور ٹونٹو

ہوٹل ڈی فریکا کا نچلا ہال معمول کے مطابق آج بھی مستقل گاہکوں اور مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن اس میں دو نئے مہمان ایسے بھی تھے جو شاید ہی پہلے کبھی یہاں آئے ہوں۔ ایک گن شاٹ تھا اور دوسرا اس کا نٹ بال قسم کا ساتھی۔ ڈی فریکا میں آج فیشن پریڈ تھی اور اس میں ڈاکٹر البصری بھی مدعو تھا۔ لیکن وہ تو نہیں آیا تھا۔ البتہ اس کی سیکرٹری شیلی یہاں ضرور موجود تھی۔ مچھر مار سنگھٹن کے ان رضا کاروں نے جو بغیر دعوت کے محض ٹکٹ لے کر شریک ہوئے تھے۔ جنوب مغربی امریکہ کے رینجروں جیسے لباس پہن رکھے تھے اور ان کے ہولسٹر میں نقلی پستول لٹک رہے تھے۔ انھوں نے اپنی میز کے ساتھیوں سے اپنا تعارف بھی اسی ڈھنگ سے کرایا۔

"میں رائے راجرز ہوں اور یہ میرے ساتھی ٹونٹو۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ جنگلیوں سے مل کر۔" نئے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔

"کون جنگلی۔" موٹے ساتھی نے بگڑ کر کہا۔

"اونہونہہ ۔ بھیجہ کنٹرول میں رکھو۔ آج سب کچھ جائز ہے"۔ گن شاٹ نے اُسے سمجھایا۔ مگر پھر اُسی وقت اُس کی نظر شیلی کی طرف اُٹھ گئی۔ وُہ اِس وقت سادہ سے مغربی لباس میں تھی۔

"اچھا ٹونٹو۔ فرض کرلو کہ وُہ میکسو کے گورنر کی بیٹی ہے"۔ نوجوان ساتھی موٹے دوست سے کہنے لگا۔

"گورنر کی بیٹی تو نہیں ہوسکتی اس لباس میں گورنر کی باورچن ہوسکتی ہے"۔ موٹے ساتھی نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"بڑے غیر شاعر آدمی ہو۔ بھلا یہ حُسن اور باورچن ۔ ـــــــ"

"اچھا چلو فرض کرلیا۔ پھر ـــــــ"

"پھر یہ کہ آج فیشن پریڈ میں انعام ہمارے ہاتھ رہے گا ـــــــ"

"یعنی ـــــ"

"یعنی یہ کہ آج جو سب سے اچھا اور سنسنی خیز رنگ جما دے جیک پاٹ اُسی کا۔"

"یہ کیا بلا ہے۔" موٹے ساتھی نے پوچھا ـــــــ"

"ایک برتن جس میں پانچ ہزار روپے ہونگے ـــــــ"

تب تو میں ہر چیز فرض کرنے کو تیار ہوں۔"

"خیر۔ تو تم اُس کالے بھینسے کو دیکھ رہے ہو۔ وُہ وہاں کونے میں۔"

"ہاں ۔ وُہ تو ڈاکٹر البصری کا حبشی نوکر ہے ـــــــ"

"بس تو یہ بھی فرض کرلیا کہ وُہ ریڈ انڈین قبیلے کا سردار ہے۔ اور یہ کہ گورنر کی بیٹی کو اِن سُرخ ہندوستانیوں نے اغوا کرلیا ہے ـــــــ"

"یعنی ہندوستانی کمیونسٹوں نے۔" موٹے ساتھی نے دوسرے ساتھی سے پوچھا!

"تم آدمی کم اور گدھے زیادہ ہو۔ یہاں کمیونسٹوں کا کیا ذکر ہے"—"

"تو ریڈ پھر کیا میری کھوپڑی کو کہتے ہیں"—"

"امریکہ کے جنگلی لوگ ریڈ انڈین ہی کہلاتے ہیں ڈیر فنٹ یال"۔

"اچھا تو پھر—"

"پھر یہ کہ تم اور میں۔ یعنی رائے راجرز اور ٹونٹو۔ اس ہوٹل میں اچانک چھاپہ مار کر گورنر کی لڑکی کو اُن کے سردار کی قید سے نکال لیجاتے ہیں"

"چلو فرض کیا یہ بھی کر ڈالا۔ مگر جوتے کتنے پڑینگے—"

"میں نے کہا نا کہ یہ ایک ڈرامہ ہوگا—"

"مجھے مت بناؤ۔ تم اس لڑکی پر مرمٹے معلوم ہوتے ہو—"

"خیر یہ بھی فرض کرلو—"

"جہنم میں گیا یہ فرض کرنا۔ اب جو کرنا ہے کر ڈالو۔ وہ تو او کھلی میں سر دیا ہی ہے۔ ہرچہ بادا باد—"

"بس تو جیسے ہی پروگرام شروع ہونے کا اعلان ہو۔ تمہیں ایک کام کرنا ہوگا—"

"یعنی—"

"یعنی یہ کہ مین سوئچ آف—"

"وہ جو کاؤنٹر کے پاس دیوار میں باکس ہے—"

"ہاں—"

"اور اس کے لئے تمہیں پہلے کاؤنٹر والے کی خبر لینی پڑے گی—"

"کمال ہے۔ حجامت جو ہو گئی تو—"

"آج کے دن سب کچھ کھیل سمجھا جائے گا۔ تم اِسکی فکر نہ کرو—"

"اچھی بات ہے۔" موٹا آدمی یہ کہہ کر مینگولا کی بوتل خالی کرنے لگا۔ لیکن گن شارٹ کی آنکھیں اُس میز پر لگی تھیں جہاں شیلی بیٹھی ہوئی تھی اور سے کچھ فاصلے پر ایک برے والی میز کے نزدیک عدنان کھڑا تھا۔ اُس کی خونخوار نظریں شیلی کی نقل وحرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اتنے میں گن شارٹ کسی کو شیلی کی میز کی طرف بڑھتے دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ انسپکٹر رازی تھا جو شیلی کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اور شیلی نے بھی ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کیا۔

"آپ۔۔؟" وہ اُس کے چہرے پر نظریں جماتی ہوئی بولی۔

"بیٹھ سکتا ہوں یہاں۔" رازی نے کرسی کھینچتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ شوق سے۔" شیلی نے جواب دیا۔

عدنان کے چہرے پر کچھ ناگوار سے تاثرات ظاہر ہوئے پھر وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر اُن کی میز سے کچھ فاصلے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن اب بھی وہ اس طرح بیٹھا تھا کہ شیلی کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔

"آپ کا فون مجھے مِل گیا تھا۔" رازی نے مدھم لہجے میں کہا۔ لیکن شیلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی ذہنی اُلجھن کا شکار تھی۔

"وہ۔۔ کوئی بات نہیں تھی۔۔ بس یونہی آپ سے مِلنے کو جی چاہا تھا۔" شیلی نے کسی قدر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خیر۔ میری یہی کیا خوش نصیبی ہے کہ آپ نے شرف ملاقات بخشا۔" رازی مسکرا دیا۔

"میں اِس قدر آزاد نہیں ہوں جس قدر آپ سمجھ رہے ہیں۔" شیلی نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" رازی نے میز پر کہنیاں ٹیکتے ہوئے جواب دیا۔
اتنے میں بیرا آ پہنچا۔ اور رازی نے ہی اُسے کچھ سینڈوچ اور کافی لانے کی ہدایت کر کے واپس کر دیا۔

"کیا معلوم ہے آپ کو ــ؟" وہ چونک پڑی۔

"یہی کہ آپ ڈاکٹر البصری کے بغیر کچھ نہیں کر سکتیں ــــــ"

"جی ــ وہ دراصل ــ یعنی میری ملازمت کی شرائط ہی یہی ہیں۔" شیلی نے جواب میں کہا۔

"لیکن اگر میرے چند سوالات کے جواب دے سکیں تو میں سمجھوں گا کہ یہی بہت کچھ ہے ــــــــــ"

رازی یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ وہ کچھ سٹپٹا سی گئی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اپنی نظریں نہ ہٹا سکی۔ وہ پہلی ملاقات میں ہی اُس سے متأثر ہو چکی تھی۔ اور نہ جانے کیوں اِس وقت اُس کے قرب کے احساس سے شیلی کو ایک عجیب سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔

"اگر میں آپ کے سوالات کے جواب دینے کے لائق ہوئی تو ضرور دوں گی" اُس نے وعدہ کیا۔

"آپ ڈاکٹر کے پاس کب سے ملازم ہیں ــــــــــــ"

"تین سال ہو چکے ہیں ــــــــــــ"

"اِس سے پہلے آپ کیا کرتی تھیں ــــــــــ"

"میں مصر کے ایک ہوٹل میں رقاصہ تھی ــــــــــ"

"بہر حال آپ اِن تین سالوں میں آپ ڈاکٹر کے متعلق خوب جان گئی ہوں گی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی ــــــــــ"

"میرا مطلب ہے کہ ڈاکٹر کی مصروفیات اس کے مشاغل اور اُس کے ذرائع وغیرہ ——"

"وُہ ایک چڑچڑے قسم کے سائنٹسٹ ہیں جن کا زیادہ تر وقت اپنے تجربات پر صرف ہوتا ہے۔ مجھے اُن کی آمدنی کے ذرائع کا تو علم نہیں لیکن میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ڈاکٹر کو کسی چیز کی کمی رہی ہو ——"

"خیر میں زیادہ تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ لیکن وُہ ابوالہول کا کیا قصّہ ہے ——"

رازی کے اِس سوال پر وُہ تقریباً اُچھل سی پڑی۔

"ابوالہول کا۔" اُس نے حیرت سے دوہرایا۔ "آپ کا مطلب۔ وُہ اٹکنے لگی۔

"مجھے معلوم ہے کہ ڈاکٹر البصری مِصر کا مُرد پر اسرار کہلاتا ہے۔ لیکن میں ابوالہول والے واقعے کے متعلق جاننا چاہتا ہُوں۔"

رازی نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"خدا کے لئے اِس سوال کو نہ دوہرایئے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہُوں۔" وُہ گڑگڑانے لگی۔ اور رازی نے دیکھا کہ اُس کی پلکیں بھی نمناک ہو گئی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہ لگنے دُوں گا۔ آپ مجھ پر بھروسہ کیجئے ——"

"ڈاکٹر کے پاس ابوالہول کا ایک بُت ہے۔" وُہ میز پر آگے کی طرف جُھک کر سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگی۔ اور رازی ہمہ تن گوش ہو گیا۔ "لیکن ٹھہریئے آپ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا ——"

"فرمایئے۔" رازی نے کہا۔

"میرے بھائی کی جان ڈاکرٹ کے قبضے میں ہے۔ اُسے کچھ ہو گیا تو۔" وہ کہتے کہتے بے چین ہو کر رُک گئی۔ اُسے سُہیل کا خیال آ گیا۔ جس کی زندگی ڈاکرٹ کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ جب چاہتا اُس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کیلئے گُل کر سکتا تھا۔

"آپ یقین رکھئے۔ جب تک میں آپ کے بھائی جان کی حفاظت کا پورا انتظام نہ کر لُوں گا آپ کی اور میری گفتگو کا ایک ایک لفظ ہمارے درمیان راز رہے گا۔" رازی نے اُسے یقین دلایا۔ اور وہ کچھ دیر سوچتی رہ گئی۔

"ابوالہول کے متعلق دو قسم کی قدیم مصری روایات ہیں۔ ایک تاریخی جس کا تخیل یہ ہے کہ وہ آمن را کے بُت سے مشابہت رکھتا ہے۔ آمن را فراعنہ مصر کے دَور کا سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا۔ جس کا سر انسان کا۔ دھڑ بیل کا اور پنجے شیر کے ہوتے تھے۔ اور سر کے گرد سُورج کا ہالہ ہوتا تھا۔ لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ شیطان نے آدم کے ساتھ جب زمین پر قدم رکھا تو اُس کی ہیئت ابوالہول کی سی تھی۔ پھر اِس سرزمین پر جب انسانوں کی نسلیں گناہوں میں مُبتلا ہوتی چلی گئیں۔ تو لوگ اسے پُوجنے لگے۔ وُہی ابوالہول۔ وہ مانگنے والوں کو مُرادیں بھی دیتا تھا۔ اور ظُلم و گُناہ کے آلہ کاروں کو عُروج بھی۔ چُنانچہ بعد کے دَور میں بھی ابوالہول کی رُوح اِس طرح کارفرما رہی۔ اور جب مصر میں حضرت موسیٰ کا ظُہور ہُوا اور انجامِ کار فرعون مصر میں لشکر کے غرقِ نیل ہو گیا تو حضرت موسیٰ کی بددُعا سے شیطان کو ابوالہول کی حیثیت سے پتھر میں مجسّمہ کر دیا گیا۔ پھر بنی اسرائیل کی ہجرت کے بہُت بعد مصر کے لوگ اسے پُوجنے بھی لگے۔ انہیں ایک حکیم وقت نے جو اپنے دَور کا بہُت بڑا عقلمند تسلیم کیا گیا تھا یہ عقیدہ پھیلایا کہ ابوالہول کی رُوح دُنیا میں دوبارہ ظہور لے گی۔" وہ یہ کہتے کہتے رُک گئی۔ کیونکہ بیرا کافی کی ٹرے لے کر آ پہنچا تھا۔ بیرے کے جانے کے بعد رازی خود کافی بنانے لگا۔ اور شیلی نے اپنا سلسلہ بیان پھر

جاری کر دیا۔

"چنانچہ مِصر میں ایک پُراسرار قبیلہ آج بھی ایسا ہے جو ابوالہول کو پُوجتا ہے۔ اور اُسکی رُوح کی واپسی پر یقین رکھتا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر کا ان حالات سے کیا تعلق ہے۔؟" رازی نے پُوچھا۔

"یہی کہ وُہ ابوالہول کی رُوح ہے۔" شیلی دَبی زبان سے بولی۔

"کیا۔؟۔" رازی اُچھل پڑا۔

"اب سے تقریباً ۴۵ یا ۵۰ برس پہلے ایک صبح کو ابوالہول کے بُت کی گود میں ایک بچہ پایا گیا تھا۔ ایک نومولود بچہ ـــ یہ بات فوراً ہی مشہور ہو گئی۔ اور اِس بچے کو سرکاری تربیت گاہ میں لے آیا گیا۔ لیکن پھر عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئے۔ وُہ بچہ چند دن بعد ہی سرکاری تربیت گاہ سے اچانک غائب ہو گیا۔ وہاں کے اخبارات میں اِن ہی دِنوں کچھ ایسے بیانات آئے جن میں اس پُراسرار قبیلے کے عقائد کا حوالہ دیا گیا تھا جو ابوالہول کی رُوح کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اور اُنھوں نے یہ شُبہ بھی ظاہر کیا تھا کہ کہیں اِس بچے کا ابوالہول کی گود میں پایا جانا اِس قبیلے کے اِس انتظار کی تکمیل نہ ہو ـــ اور اُسے اس قبیلے کے افراد ہی نہ غائب کر لے گئے ہوں ـ"

"کہانی واقعی پُراسرار ہے ـ" رازی نے سر ہلایا۔

"اور وُہ بچہ جو ابوالہول کی گود میں پایا گیا تھا ایک دِن ڈاکٹر البصری بَن گیا۔"

"تعجب ہے ـــ مگر اُسے تو اِس قبیلے کے لوگ اُٹھا لے گئے تھے نا ـــ"

"ہاں ـ دراصل قبیلے کے پاس صدیوں کی سونے کی دولت جمع ہے۔ اور اِسی لئے اِس پُراسرار قبیلے کو دُنیا کا دولت مند ترین قبیلہ مِصر میں سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرتناک بات یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ مِصر کا کون سا اُن دیکھی

اس قبیلے کا فرد ہے۔ کون ابوالہول کا پجاری ہے۔ یہ لوگ اور ان کے عقائد اس طرح راز میں رہتے ہیں کہ ان پر شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لوگ مسلمانوں میں بھی موجود ہیں۔ اور عیسائیوں میں بھی۔ لیکن وہ محض ظاہری طور پر باطن میں وہ ابوالہول کے پرستار ہیں۔ ———"

"وہ ڈاکٹر البصری کیسے بنا ———؟"

"یہ راز تو سوائے ڈاکٹر بصری کے کوئی نہ جانتا ہوگا۔ لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ ایک مشہور انگریز سائنٹسٹ مسٹر بلیک نے اس کی پرورش کی تھی اور انہیں کی سرپرستی میں ڈاکٹر البصری نے سائنس کی دنیا میں اتنی شہرت اور عزت حاصل کی۔"

"مسٹر بلیک کہاں ہیں۔؟"

"ایک تجربے کے دوران موت کے شکار ہو گئے تھے انکی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنا سب کچھ ڈاکٹر البصری کے نام لکھ گئے تھے۔"

"لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر البصری وہی ابوالہول والا بچہ ہے؟"

"ڈاکٹر بلیک ایک وصیت نامہ ڈاکٹر البصری کیلئے چھوڑ گئے تھے جسے ان کی موت کے بعد کھولا جانا تھا۔ اس میں کیا درج تھا یہ تو ڈاکٹر البصری جانے۔ لیکن میں نے ایک بار ڈاکٹر البصری کو ابوالہول کے ایک چھوٹے سے بت کے سامنے تنہائی میں یہ کہتے سنا تھا کہ "اے مقدس روح۔ وہ خواب جو اب سے ہزاروں سال پہلے وادئ نیل کے کاہن اعظم نے دیکھا تھا اسے میں پورا کر کے دکھاؤں گا تیری واپسی ہوگی۔ تو پتھر کے جسم کو چھوڑ کر پھر ایک بار اپنے وجود میں آئے گی۔ ضرور آئے گی ———"

"عجیب الفاظ ہیں ———" رازی نے سر ہلایا۔

لیکن اس سے پہلے کہ شیلی کچھ اور کہتی ——— اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی

اور وہ خوفزدہ نظر آنے لگی۔ مگر جب رازی نے گھوم کر کاؤنٹر کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

کاؤنٹر پر گن شاٹ اور اس کا موٹا ساتھی دونوں ہاتھوں میں ریوالور پکڑے اکڑا کھڑا تھا۔ اور بار ٹنڈر اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ہال میں بیٹھے بہت سے لوگ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بعض سکون سے بیٹھے رہے۔

"اجی۔ چھوڑیئے انہیں۔ مسخرا پن ہے سب۔" رازی نے پھر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"اے کاؤنٹر پر سے اترو۔ رکھ دو جو کچھ کمایا ہے آج۔" موٹا آدمی بار ٹنڈر کو ڈانٹ رہا تھا۔ اور لوگ اس امریکن کاؤبوائے جیسے لباس والے آدمی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے مسٹر۔ میں پولیس کو فون کر دوں گا۔" بار ٹنڈر کہہ رہا تھا۔

"شٹ اپ۔ ایک گولی میں مکھی بنا کے چپکا دوں گا شہر کے دروازے پر" موٹے آدمی نے دوبارہ اسے ڈانٹا۔

"اچھا چلاؤ تو گولی۔ دیکھتا ہوں میں بھی کیسے چلاتے ہو۔" بار ٹنڈر بھی جو کوئی جھکی قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا اکڑ گیا۔

"اچھا تو لو دیکھو۔" یہ کہہ کر موٹے آدمی نے دونوں پستولوں کے ٹریگر دبا دیئے۔ پستول کی نالی سے ایک سیاہ سیالی کی دھار نکلی اور بیچارے بار ٹنڈر کا منہ کالا ہو گیا۔ سارا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ لیکن ابھی قہقہے گونج ہی رہے تھے کہ اچانک پورے حال میں اندھیرا چھا گیا اور ایک ساتھ چیخیں گونج اٹھیں۔

لوگ مختلف آوازوں میں مختلف طریقوں سے چیخنے چلانے لگے۔ ان چیخوں میں گالیاں بھی تھیں۔ کچھ تعریفیں بھی۔ کچھ خوف بھی۔ جو جس طرح سمجھ سکا تھا۔ اسی کے مطابق اس اندھیرے پر تبصرہ کر رہا تھا۔ لیکن جب دوبارہ روشنی ہو گئی

ہوئی تو بہت سے چہرے نظر آئے اور ہال میں عدنان پاگلوں کی طرح اِدھر سے اُدھر دوڑتا نظر آیا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ہال میں رازی بھی تھا۔ وُہ پریشان تو نہ تھا۔ لیکن غور سے صُورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر عدنان اسی عالم میں اپنا سر پیٹتا باہر نکل گیا۔ رازی بھی تیزی سے باہر نکل گیا۔ اُس نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور اُس کا رُخ ڈاکٹر البصری کی قیام گاہ کی طرف کر دیا۔

"عتاب"

عدنان کی جلد جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اور اس میں سے خُون رِسنے لگا تھا۔ لیکن ڈاکٹر البصری کے غصّے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وُہ اس وقت بہت خوفناک نظر آرہا تھا۔ اُس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سُرخ اور اُبلی پڑ رہی تھیں وُہ عدنان کی پیٹھ پر بے تحاشا ہنٹر برسا رہا تھا۔ اور عدنان چیخ رہا تھا۔ "میرا کوئی قصُور نہیں باس۔ باس مقدس رُوح کی قسم میرا کوئی قصُور نہیں ـــــــ"

لیکن ڈاکٹر کچھ سُننے کو ہی تیار نہ تھا۔ وُہ اُسے مُسلسل پیٹتا ہی گیا۔ یہانتک کہ عدنان بے ہوش ہو گیا۔ تب کہیں ڈاکٹر کا ہاتھ رُکا۔ اُس نے تالی بجائی جسکے ساتھ ہی جیکی کا دوسرا ساتھی اور وہ گنجا آ پہنچے۔

"اِسے نیچے لے چلو۔ میری لیبورییٹری میں۔" ڈاکٹر نے پُر غیض لہجے

میں کہا۔ اور ان دونوں نے چپ چاپ عدنان کو اُٹھا لیا۔ پھر وہ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے چلتے اُس کے مخصوص کمرے میں پہنچ کر لفٹ والی الماری کے ذریعے زمین دوز لیبوریٹری میں اُتر گئے۔

ڈاکٹر نے اُنہیں واپس کر دیا۔ لیکن یہ ہدایت کر دی کہ کوئی بھی آئے۔ یہ کہہ کر لوٹا دو کہ میں مکان پر نہیں ہوں۔ اور اگر کوئی کسی قسم کا خطرہ ہو تو خطرے کی اطلاع والا بٹن اُوپر سے دبا دینا ــــــــــــــ

اُن کے جانے کے بعد کچھ دیر تک وہ بے ہوش عدنان کو گھورتا رہا پھر اُس نے داہنی طرف دیوار پر لگا ہوا ایک ہینڈل گھمایا جس کے ساتھ ہی ایک دروازہ دیوار میں پیدا ہو گیا۔

"باہر آؤ"۔ ڈاکٹر نے کرخت لہجے میں آواز دی ــــــــــــ"

"میں کہتا ہوں باہر آؤ ــــ" وہ دوبارہ گرجا۔ اس وقت میں بہت خراب موڈ میں ہوں"۔

دوسرے لمحے ایک انسانی سایہ اس دروازے سے باہر نکلا۔ وہ ڈاکٹر بوس تھا۔ جسے اس عالم میں اگر اس کی بیوی بھی دیکھتی تو شاید نہ پہچان سکتی۔ اُس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ چہرہ سُتا ہوا تھا اور ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔

"ڈاکٹر ــــ آج میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں ــــ اسے دیکھ رہے ہو یہ میرا سب سے وفادار خادم ہے۔ لیکن میں نے اس کا کیا حال بنا دیا ہے میں جب غصے میں ہوتا ہوں تو میرا دماغ سوچنا بھی چھوڑ دیتا ہے ــــــــــ"

"میں جانتا ہوں کہ تم اس کے سیال سے بہت خطرناک کام لے سکتے ہو۔ میں تمہارے ہاتھوں انسانیت کو خطرے میں نہیں ڈالوں گا ــــــــ"

"میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے تمہاری انسانیت۔ یا تمہارے نظریات سے کوئی واسطہ

نہیں ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے ایک مخصوص تجربے کے لئے مجھے دوبارہ اپنی اصل ماہیت میں جنم لینا ہے۔ میں ابوالہول کی روح ہوں۔"

"تمھاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" ڈاکٹر بوس نے سر ہلایا۔

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ صرف تم زونین اور اوسیم کا سیال تیار کرو جو دوسرے اجزا کے ساتھ محلول ہو سکے۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔" ڈاکٹر البصری نے کہا۔

"لیکن میری زندگی تو موت سے بدتر کر دی ہے تم نے۔ میں اب کسی کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اتنے اہم جوہر کے ضائع ہو جانے کے بعد ــــــــــ"

"شاید مجھے تمہارے تمامتر جوہر کو کام میں لانے کی ضرورت نہ پڑے۔ تم اسکے ایک چوتھائی کا ہی سیال تیار کر دو۔ اس کے بعد میں تمہیں آزاد کر دوں گا ــــ"

"لیکن تمہیں تحریری وعدہ دینا ہو گا کہ تم اسے کسی ایسے تجربے میں استعمال نہ کرو گے جو انسانیت کے مفاد کے خلاف ہو۔" ڈاکٹر بوس نے کہا۔

"میں لکھے دیتا ہوں ــ" ڈاکٹر البصری مسکرایا۔ پھر اس نے میز پر پڑے ہوئے ایک کاغذ اٹھا کر اس پر یہ وہی الفاظ لکھ دیئے جو ڈاکٹر بوس چاہتا تھا ڈاکٹر بوس چند لمحے ٹھہرا کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر البصری نے ماسٹر فون پر اپنے آدمیوں کو فوراً ڈاکٹر بوس کے لئے کچھ کھانے کی چیزیں لانے کو کہا۔ اور ڈاکٹر بوس اپنا میلا گون اتارتا ہوا تجربہ گاہ کی میز کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"آج میں اپنا تجربہ ختم کر دینا چاہتا ہوں ڈاکٹر۔ تم جس قدر جلد ہو سکے یہ سیال تیار کر دو ــــ ۷۵ ×۵۷ کمپاؤنڈ ــــ" ڈاکٹر البصری نے اسے ہدایت کی اور پھر خود ایک آرام کرسی پر لمبے لیٹ کر سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔

سب کچھ تیزی سے ہُوا تھا کہ شیلی کے سمجھ میں ہی نہ آ سکا۔ بس جب اُس کے ہوش ٹھکانے ہُوئے تو اُس نے ایک تیز دوڑتی کار میں پایا۔ یہ اور بات تھی کہ کار بالکل تھنک تھنک رقص پیش کرتی چل رہی تھی۔ اور بدہضمی کی شکایت رکھنے والے آدمی کا کھانا بھی اُس میں بیٹھ کر بآسانی ہضم ہو سکتا تھا۔ اِس کا انجن بھی کافی شور مچا رہا تھا۔ شیلی حیران حیران سی اُن دونوں کی شکلیں دیکھنے لگیں جو اِسکے ہمسفر تھے۔

"تم لوگ کون ہو۔ اور مجھے کہاں لے جا رہے ہو ــــــــــــ"

"مَیں رائے راجرز اور یہ ٹونٹو۔ ہم آپ کو اُس ریڈ انڈین کی قید سے چھڑا کر لا رہے ہیں ــــــــــــ"

گن شاٹ نے اپنی ۱۹۳۸ء ماڈل کی فورڈ کو ڈرائیو کرتے ہُوئے کہا۔

"آپ لوگوں کا دماغ تو خراب نہیں ہے۔" وُہ چڑ کر بولی۔

"اور سُنو گن شاٹ۔ یہ ہے ہمدردی کا نتیجہ۔" موٹے آدمی نے ساتھی سے کہا۔

"کیسی ہمدردی۔ کس بات کی ہمدردی۔؟" شیلی نے غصّے سے کہا۔

"آپ کی مظلومیت کی۔ دراصل ہم لوگوں نے فرض کر لیا تھا کہ آپ اُس کو نتار قسم کے دیو کے قبضے میں ہیں۔ اِس لئے ہم نے ڈی فرینک میں اندھیرا کر کے آپ کو آزاد کرا لیا۔"

"بڑا احسان کیا آپ نے شکریہ۔ اب براہِ کرم مجھے وہیں لے چل کر چھوڑ دیجئے ورنہ میں شور مچا کر پولیس کو بُلا لوں گی ــــــــــــ"

"ٹونٹو۔ یہ نیکی کا زمانہ نہیں ہے۔" گن شاٹ نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔

"تو پھر۔" ٹونٹو نے پوچھا۔
"نیکی کر دریا میں ڈال۔" گن شاٹ نے جواب میں کہا۔
"یعنی میکسیکو کے گورنر کی اس بیٹی کو دریا میں ڈال دیا جائے۔" ٹونٹو نے تشریح طلب کی۔
"اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے کے بعد ہمیں ایسا شدید ترین صدمہ ہوگا۔ کہ ہم رائے راجرز سے دیو داس بنجائینگے۔" گن شاٹ نے ٹھنڈی سانس لی۔
"کارروکو اپنی۔ ورنہ۔" شیلی نے غضبناک ہوکر کہنا چاہا۔
"ورنہ میں شور مچا دوں گی۔" موٹا آدمی مٹک کر آواز کو باریک کرتے ہوئے بولا۔
"اوہ۔ آخر تم چاہتے کیا ہو۔؟"
"ہم تمہارا اچار ڈال کر نادر ابوالہول کو کھلائینگے۔" گن شاٹ نے لاپرواہی سے کہا۔
"وہاٹ۔" ابوالہول کے نام پر شیلی بُری طرح اُچھل پڑی۔
"کیوں۔ ڈر گئیں۔" موٹا ساتھی بیوقوفوں کی طرح ہنسنے لگا۔
"تم لوگ ابوالہول کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" شیلی نے اُن سے سوال کیا۔
"ظاہر ہے کہ مصر میں واقع ہے سر آدمی کا۔ نیچے شیر کے اور دھڑ بیل کا ہے۔ بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ اُس کا سر گدھے کا۔ دھڑ بشر کا اور نیچے مرغی کے ہوتے تو زیادہ شاندار ہوتا۔"
"تم لوگ کون ہو۔" وہ قدرے جھک کر اگلی نشست پر اُنہیں دیکھنے لگی۔
"ایک رائے راجرز ایک ٹونٹو ——————"
"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم کوئی بھی ہو۔ لیکن خطرناک لوگوں میں سے ہو"

"ٹونٹو ۔۔ مجھے وُہ ہندوستانی گیت یاد آرہا ہے ۔۔ وُہ کیا ۔ کیا ہے ایک دلیپ کمار نے ۔ یعنی ۔۔ یہاں بدلہ وفا کا بے وفائی کے سوا کیا ہے ۔" گن شاٹ نے شیلی کی طرف مخاطب ہوئے بغیر کہا۔

"اور کیا ۔۔؟" موٹا ساتھی مُنہ پھُلا کر بولا۔

"تم لوگ گاڑی نہیں روکو گے ۔"

"چلتی کا نام گاڑی ۔ اور رُک گئی تو ہاتھ گاڑی ۔" موٹا ساتھی بولا۔

"کمال ہے ۔ ہم تو سمجھے تھے کہ ہم تمہیں اس ظالم ڈاکٹر کی قید سے رہا کرا لینگے تو تُم ہماری معجون احسان ۔۔ وُہ کیا کہتے ہیں لونٹو اسے ۔۔"

"ممنونِ احسان ۔۔"

"ہاں ۔ وُہی ہوگی ــــــــــــــ"

"اوہ ۔ تو تم ڈاکٹر البیری کو بھی جانتے ہو ــــــــ"

"ہم لوگ کافی عالم فاضل ہوئے ہیں ۔ اسلئے سب کو جانتے ہیں ۔ ــــــ"

"کہاں لیجانا چاہتے ہو مجھے ۔۔ آخر کیوں لائے ہو تم مجھے اڑا کر ــــــ"

"دراصل میں تم سے شدید قسم کا عشق کرنا چاہتا ہوں ــــــــ"

"باتوں سے تم غنڈے نہیں معلوم ہوتے ــــــــ"

"ہائے عاشق صادق غنڈے نہیں ہوا کرتے محترمہ ۔"

پھر گاڑی کی رفتار دھیمی پڑنے لگی ۔ نہ جانے کیوں اُن کی گفتگو سے شیلی کا خوف منقطع جاتا رہا ۔ اور اسی لئے اُس نے شور مچانے کی بھی کوشش نہیں کی ۔ انمیں سے ایک کی آواز کچھ پہچانی ہوئی بھی محسوس ہو رہی تھی ۔ مگر کار میں تاریکی ہونے کی وجہ سے وُہ ان کی صُورتیں نہیں دیکھ سکی تھی ۔

کار جس جگہ رُکی یہ ایک تاریک سی کم چوڑی سڑک تھی ۔ سڑک کے کنارے

اکہرے اور یک منزلہ مکانات بنے ہوئے تھے۔ کوئی اوسط معیار کی بستی معلوم ہوتی تھی۔

"مجھے واپس پہنچادو ورنہ میں تم لوگوں کو گرفتار کروادوں گی۔" شیلی نے گن شاٹ کو گاڑی سے اُترتے دیکھ کر کہا۔

"پھانسی پر چڑھوا دینا۔ مگر آج نہیں۔ آج ہم تمہیں ڈی فرانکو کے فلیسی پروگرام کی تحت میکسیکو کے گورنر کی اغوا شدہ لڑکی فرض کر کے ایک ریڈ انڈین سردار کے پنجے سے چھڑا کر لائے ہیں۔"

"عجیب لوگ ہو تم۔ اب کیا کرو گے میرا۔"

"تمہیں وٹامن ڈی کے بسکٹ کھلا کر۔ پالنے میں سُلا دینگے۔ پھر تمہارے ماں باپ کو خبر کر کے اُن کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"یہ ڈرامہ کب۔ختم ہو گا۔؟"

"صبر سے کام لو۔ ہم بُرے لوگ نہیں ہیں۔" گن شاٹ مُسکرایا۔

"میں اگر یہ سمجھ چکی ہوتی تو کبھی کی تمہاری کار سے کود گئی ہوتی۔"

وہ بھی مُسکرا دی۔ "مگر اب میں تمہیں پہچان رہی ہوں۔"

"خدا کیلئے ایسا غضب مت کرنا۔"

"تم وُہی پتھر مار کمپنی کے کارکن ہو نا۔"

"ہات تری کی۔ لو نٹو۔ قلعی کھُل گئی نا آخر۔"

"میں تو پہلے ہی سمجھ چکی تھی۔ تمہاری آواز سے۔۔"

"خیر آپ آہی گئی ہیں تو غریب خانے پر۔"

"ڈیر فٹ بال۔ ہم رائے راجرز اور لونٹو ہیں۔ قیدخانہ کہو۔"

"کیا یہی مکان ہے آپ کا۔؟"

"یہ ہے تو دراصل ہمارے ڈائرکٹر کا۔ لیکن اُس کی غیر موجودگی میں ہمارا ہو جایا کرتا ہے ـــــــــــ"

ٹونٹو نے اِس مکان کا دروازہ کھول دیا جس کے سامنے کار رُکی تھی۔ شیلی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کوئی جھجک نہیں محسوس کی۔ بجلی کا بٹن دباتے ہی اندر کا کمرہ روشن ہو گیا۔ یہ اوسط قسم کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔

"تشریف رکھئے ـ" گن شاٹ نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ مسکراتی ہوئی ایک گدّے دار کُرسی پر بیٹھ گئی۔

"ڈیو فنٹ بال مہمان کی کچھ خاطر ہونی چاہیئے ـــــــــــ"

"ابھی انتظام کرتا ہوں ـ" موٹے ساتھی نے جلدی سے کہا اور نکل کر کہیں چلا گیا۔ گن شاٹ بھی اُس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"ہاں اَب بتاؤ تم مجھے کیوں لائے ہو یہاں۔"

"سچ سچ بتا دوں ـ؟" گن شاٹ نے سنجیدہ صورت بنا کر پوچھا۔

قطعی ـــــــ"

"جوشِ رقابت میں ـــــــ"

"کیا مطلب ـــــــ؟"

"میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کی میز پر بیٹھا ہوا آدمی آپ کو جیتے لے رہا ہے اِس لئے اُڑا لایا۔"

"کیوں ـ؟ وہ مسکرائی ـــــــــــ"

"بس ـ بس یُونہی ـ یعنی مجھے آپ سے عشق جو ہو گیا ہے ـ" وہ اِتنی معصومیت سے بولا کہ شیلی کو ہنسی آ گئی ـــــــــــ

"تم یا تو بہت چالاک ہو یا بہت دلچسپ ـ ـــــــــــ"

"جو جی چاہے سمجھ لیجئے۔ اپنے دل کا جہاز تو اُسی دن غرق ہو گیا تھا جس دن ڈاکٹر البصری کے بنگلے پر مچھر مارتے مارتے ہم خود شہید ہو گئے تھے"۔

"میں یہ نہیں مانتی۔ تم مجھے عام قسم کے آدمی نہیں معلوم ہوتے ـــ"

"تو امرود کی قسم سے سمجھ لیجئے ـــــــــ"

"اوہ ـــ" اچانک شیلی کو کچھ یاد آگیا۔ "مجھے فوراً جانا چاہیئے"۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ گن شاٹ نے دیکھا کہ اُس کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی شائد اُسے یاد آگیا کہ ڈاکٹر البصری اُس کی گمشدگی پر غافل نہ بیٹھا ہوگا۔

"خیریت تو ہے۔ یہ اچانک آپ کو کیا ہو گیا ـــــــ"

"نہیں نہیں مجھے جانا چاہیئے۔ تم اُسے نہیں جانتے۔ وہ بہت ظالم آدمی ہے۔ وہ اُسے مار ڈالے گا"۔ وہ بے خیالی میں کہتی چلی گئی ـــــ

"کسے مار ڈالے گا ـــ؟" گن شاٹ نے حیرت سے پوچھا ـــــ

"اُیں ـــ نہیں نہیں کسی کو نہیں ـــ میں نہ جانے کیا کہہ گئی"۔

"ایسی باتیں یونہی منہ سے نہیں نکل جایا کرتیں۔ آپ کو بتانا ہوگا ـــ"

"اُف ـــ یہاں کے لوگ دوستی کے پردے میں میرے دشمن ہوئے جا رہے ہیں۔ او خدا کیا ہوگا اب ـــ" وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ ـــــــــ

"اگر آپ مجھ پر بھروسہ کریں تو میں آپ کی ہر مدد کرنے کو تیار ہوں ـــ"

"کوئی کچھ نہیں کر سکتا ـــ کوئی کچھ نہیں کر سکتا ـــ وہ بہت خوفناک آدمی ہے ـــــــــ"

"آپ شائد ڈاکٹر البصری کا ذکر کر رہی ہیں ـــــــ"

"کس کا ـــ؟ ـــ نہیں تو ـــ وہ ـــ وہ تو بہت اچھے آدمی ہیں ـــ اُف

میں آج کون سے جھنجھٹوں میں پھنس گئی ہوں۔ ـــــــــ

"خیر۔۔ آپ نہ چاہیں تو نہ بتائیں۔ لیکن آپ کو یہاں سے جانے نہ دیا جائیگا"
گن شاٹ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا مطلب ؟" وہ چونکی۔ آپ مجھے زبردستی روکینگے۔ ـــــ"

"صرف اتنی دیر کہ ہمارا ڈرامہ مکمل ہو جائے۔۔ ہمیں جیک پاٹ جیتنا ہے۔ معلوم ہے اس میں پانچ ہزار کی رقم ہے۔" گن شاٹ کے چہرے پہ پھر حماقت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اتنے میں موٹا ساتھی آ پہنچا۔ وہ ہاتھ میں ایک ٹرے لئے ہوئے تھا جس میں خشک قسم کی کھانے کی چیزیں تھیں اور چائے بھی۔ وہ اس نے میز پہ رکھ دی اور پھر باہر کی طرف جاتے ہوئے گن شارٹ سے بولا۔

"ذرا ایک بات سنو۔ ـــــ"

"مس شیلی میں ابھی آیا۔" گن شاٹ یہ کہتا ہوا۔ دروازے سے باہر نکل گیا۔ اور شیلی اس کے منہ سے اپنا نام سنکر حیرت کرتی رہ گئی۔ مگر اس وقت اس کی حیرت دوبالا ہوگئی جب اس نے دروازے کو باہر سے بند ہوتے دیکھا۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹی اور اس پر گھونسے مارنے لگی۔ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے چیخ چیخ کر آوازیں دیں۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ جھنجھلاہٹ میں وہ جب لوٹ کر میز کی طرف آئی تو اسے ایک پلیٹ کے نیچے کاغذ کا ایک پرزہ رکھا نظر آیا جس پر لکھا تھا۔

"ہمیں ہوٹل نیریکا کا پانچ ہزار روپے والا جیک پاٹ جیتنا ہے۔ اسلئے صرف ایک گھنٹے آپکو یہاں قید رہنا پڑیگا تاکہ ہمارا ڈرامہ مکمل ہو جائے۔ اسکے بعد آپ کو آرام کے ساتھ آپ کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ شکریہ۔ ـــــ"

خط پڑھ کر وُہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بیٹھ گئی۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد شیلی ڈاکٹر البصری کی رہائش گاہ پر پہنچ گئی۔ اُسے برآمدے میں جیکی کا ساتھی شنکر نظر آیا۔ وُہ کافی فکر مند معلوم ہو رہا تھا۔ شیلی کو دیکھتے ہی وُہ قریب آگیا۔

"شیلی جیکی کا کل سے پتہ نہیں ہے آخر وُہ کہاں گیا۔"

"میں کیا جانوں۔" لاپرواہی سے یہ کہتی ہُوئی اندر چلی گئی۔ اور شنکر اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اندر اُسے عدنان کہیں نظر نہیں آیا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ اِسلئے وُہ اپنے کمرے میں پہنچ کر لباس تبدیل کرنے لگی۔ آج ڈاکٹر کی کوٹھی کچھ سُونی سُونی معلُوم ہو رہی تھی۔ کافی دیر کے بعد اُسے وُہ گُنگا خادِم نظر آیا۔ جو اِشارے سے اُس سے کھانے کے لئے پُوچھ رہا تھا۔ شیلی نے اشارے میں اس سے عدنان کے بارے میں پُوچھا اور وُہ زمین کی طرف اِشارہ کرنے لگا۔ شیلی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ وُہ اس سے اسکی وضاحت حاصِل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن اُس سے زیادہ گُونگے کی بات اُس کی سمجھ میں نہ آسکی۔

"درندے"

"لو تمہارا سیال تیار ہو گیا" ڈاکٹر بوس نے ڈاکٹر البصری کو مطلع کیا۔ مگر اس کے لہجے میں اب بھی نفرت کی جھلک تھی۔ ڈاکٹر البصری کی آنکھیں اس خبر کو سُن کر چمک اُٹھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میز تک آیا۔ اور سیال کو ہلا کر دیکھنے لگا۔ پھر اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ نکلا اور وہ کئی سیکنڈ تک ہنستا رہا۔ نہ جانے کونسی کیفیت تھی یہ بہر حال جب اُس کی ہنسی رُکی تو وہ ڈاکٹر بوس کو گھورنے لگا۔

"ڈاکٹر اب میں تمہیں آزاد کر دوں گا" اس کا لہجہ خوفناک تھا لیکن ڈاکٹر بوس اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ بولا۔ "اور X۵۵۷ کا باقی حصہ بھی مجھے واپس کر دو ــــــــــــ"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر البصری نے زور سے عدنان کو آواز دی اور ایک لمحہ کے بعد ہی وہ اس دروازے سے نکل کر آ پہنچا جس کے پیچھے پہلے ڈاکٹر بوس قید تھا۔ عدنان کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی اُس کے چہرے پر بھی ہنٹر کی خراشیں پڑ گئی تھیں اور وہ اس طرح سامنے آیا جیسے برسوں

کا مریض ہو۔

"مہمان کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر دو۔" ڈاکٹر نے عدنان کو حکم دیا اور عدنان کے چہرے کی کیفیت اچانک تبدیل ہو گئی۔ اُس کی آنکھیں چمک کر خوشی سے چمکنے لگیں۔

"اور دیکھو پھر کبھی اگر تُم نے لاپرواہی برتی تو میں تمہارا بہت بُرا حشر کرونگا۔"

"کبھی نہیں باس — کبھی نہیں۔" عدنان گھبرا کر بولا۔ اور پھر سر جُھکا کر اظہارِ ادب کرتا ہُوا پیچھے ہٹ گیا۔

"اِدھر چلو۔" اُس نے ڈاکٹر کو تہہ خانے کی راہداری کی طرف چلنے کا اِشارہ کیا۔

"اور وُہ جوہر کا بقیہ حصّہ؟" ڈاکٹر بوس نے ڈاکٹر البحری سے پُوچھا۔

"فکر نہ کرو۔ پہنچ جائے گا۔" ڈاکٹر البحری مُسکرایا۔

آدھی رات کے سنّاٹے میں ایک چیخ کی آواز نے شیلی کو سوتے سے چونکا دیا۔ وُہ صوفے پر ہی بیٹھ کر اُونگھ گئی تھی۔ آواز اِسی عمارت کے کسی حصّے سے آ رہی تھی۔ باہر شنکر بھی موجود تھا۔ وُہ اُس وقت خرّاٹے لے رہا تھا۔ شیلی کو اور کُچھ نہ سُوجھا۔ اُس نے سب سے پہلے شنکر کو ہی جگایا۔

"شنکر، کہیں سے ابھی ایک بڑی بھیانک چیخ سُنائی دی تھی۔"

"اوہ — عدنان کے کمرے سے آواز آئی ہوگی۔ تمہاری وجہ سے باس آج اُس پر بہت بگڑا ہُوا تھا۔ اُسے پہلے بھی ایک بار ادھ مرا کر چکا ہے۔" شنکر نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"شنکر۔ میری مدد کرو گے۔" شیلی کی آواز اِس بار کانپ رہی تھی۔ اُس نے شنکر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور شنکر کے سارے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔

"کیا چاہتی ہو تُم مجھ سے ــــــــــ"

"جانتے ہو باس نے جیکی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے ــــــــــ"

"کیا ــ؟"

"اُسے عدنان کی خوراک بنا دیا ــــــــــ"

"کیا مطلب ــــــــــ؟"

"عدنان قبائلی آدم خور ہے ــــــــــ"

"تو کیا ــ یعنی ــ" شنکر حیرت سے اُچھل پڑا ــــــــــ

"ہاں ــ اور یہی انجام کسی وقت تُمہارا بھی ہو سکتا ہے ــــــــــ"

"نہیں ــ" شنکر دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخ اُٹھا۔

"یقین نہ ہو تو آؤ دیکھ لو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کوئی اور مصیبت نہ آئی ہو" وُہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لگی۔ "تُم آگے چلو۔ میں ساتھ ہُوں۔ مگر ریوالور ہے تمہارے پاس ــ؟"

"ہاں اس وقت میری جیب میں ہی ہے ــــــــــ"

"تو چلو ــــــــــ"

وُہ دونوں مختلف کمروں سے گزر کر پچھلے برآمدے میں پہنچ گئے، جسکے بعد سب سے علیحدہ عدنان کا کمرہ تھا انہیں اسکے کمرے کے دروازے کی دراز سے اندر روشنی نظر آئی۔ وُہ دوڑ کر دروازے پر پہنچ گئے۔ اور پھر اُن کی نگاہوں نے جو کچھ دیکھا وہ انتہائی بھیانک منظر تھا۔ عدنان اِس وقت کوئی وحشی درندہ معلوم ہو رہا تھا اُس کی آنکھیں سُرخ اور اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اور دانت باہر نکل آئے تھے۔ وہ ڈاکٹر

بوس پر اِس طرح جھپٹ رہا تھا جس طرح کوئی درندہ اپنے شکار پر ٹوٹتا ہے۔ اور ڈاکٹر کی کیفیت عجیب تھی۔ اُس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ اور جسم پر کئی جگہ عدنان کے ناخنوں کے کھروچنے پڑ گئے تھے۔ ڈاکٹر اس طرح خوفزدہ نظر آ رہا تھا جس طرح چھری کے نیچے کوئی بکرا۔ وُہ بے تحاشا کمرے میں اِدھر سے اُدھر دوڑ رہا تھا۔ اور عدنان ایک بھیانک ہنسی کے ساتھ اسکی اس کیفیت سے لُطف اندوز ہوتے ہُوئے اُس پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا ——

"اُف —" شیلی کے مُنہ سے نِکلا اور اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں مگر شنکر سے نہ دیکھا گیا۔ اُس نے دروازہ ٹھوکنا شروع کر دیا۔

"کون ہے —" عدنان اندر سے دھاڑا۔

"دروازہ کھول بھیڑئیے —" شنکر جوشِ غضب میں باہر سے چیخا۔

"میرے کام میں دخل مت دو — بھاگ جاؤ —" عدنان غرایا۔

"دروازہ کھول —" شنکر حلق پھاڑ کر چیخا ——

"نہیں کھولتا — ہاہاہا —" عدنان قہقہے لگانے لگا۔

"ارے خدا کے لئے مجھے کوئی بچاؤ — یہ درندہ مجھے کھا جائے گا" اندر سے ڈاکٹر پھٹی ہُوئی آواز میں چیخا ——

"گھبراؤ نہیں ڈاکٹر —" شنکر نے باہر سے آواز دی۔ پھر اُس نے پُوری قوت سے دروازے پر دھکّے مارنا شروع کر دیئے۔ ایک بار پُوری قوت سے جیسے ہی وُہ دروازے پر ٹوٹا۔ دروازہ اچانک کھُل گیا۔ اور وُہ مُنہ کے بل اندر جا گرا۔ اُس کی گردن اب عدنان کی گرفت میں تھی۔ اور وُہ کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ شیلی کے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ اُسنے چاہا کہ وُہ پلٹ کر بھاگے۔ لیکن عدنان نے اِس زور سے اُسے لات ماری کہ وُہ فرش

پر جا گری۔ اس کے گرتے ہی عدنان نے زور سے قہقہہ لگایا۔

ڈاکٹر بوس اس وقت بے بسی سے ایک کونے میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ وُہ اب تین ہو چکے ہیں۔ کیوں نہ عدنان کو مارنے کی ہی کوشش کی جائے۔ اور وُہ یہ سوچ کر آگے بڑھا ہی تھا۔ کہ عدنان نے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی۔ جسکے ساتھ ہی دروازے کی طرف سے دو سیاہ سائے اندر داخل ہوتے نظر آئے۔

یہ بھی عدنان کی طرح سیاہ فام تھے۔ انہیں دیکھتے ہی عدنان نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور اُن میں سے ایک شیلی کی طرف جھپٹ پڑا۔ شیلی کے حلق سے ایک گھٹی ہُوئی چیخ نکلی اور تھر تھر کانپنے لگی۔ دُوسرا ڈاکٹر بوس پر جھپٹا۔ اور ڈاکٹر بھاگنے کی کوشش میں عدنان کی پلنگ سے ٹکرا کر گر پڑا۔

قریب تھا کہ شنکر۔ ڈاکٹر بوس اور شیلی تینوں کا بھی وہی حشر ہو جو جیکی کا ہو چکا تھا۔ کہ اچانک ایک فائر ہُوا اور عدنان کا ایک ساتھی فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ عدنان اور دوسرا ساتھی چونک کر دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک دوسرا فائر ہُوا اور عدنان اپنا بازو تھام کر چیخ اُٹھا۔ تیسرے نے بھاگنے کی کوشش کی تھی کہ دروازہ پھر جھٹکے سے کھلا اور اُس کے پیٹ پر ایک زور سے لات پڑی وُہ اوندھا فرش پر گر پڑا۔ شیلی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اندر داخل ہونے والے گن شاٹ اور اُسکا ساتھی تھے۔ اور گن شاٹ اِس وقت بہُت غضبناک نظر آرہا تھا۔

”خبردار اگر اٹھنے کی کوشش کی“۔ گن شاٹ نے عدنان کو گھورتے ہُوئے کہا۔

”اچانک دروازے سے کوئی داخل ہُوا اور گن شاٹ اور اس کا

دونوں ٹمینشن ہو گئے۔ یہ ڈاکٹر کا وُہی گنجا گونگا اور بہرا ہندوستانی خادم تھا جس کی اِس گھر میں کوئی حیثیت نہ تھی اور جس سے صرف معمولی خدمات لی جاتی تھیں۔

"تم لوگ وقت پر پہنچے لیکن ڈاکٹر کا پتہ نہیں ہے"۔ گونگے نے اچانک بولنا شروع کر دیا۔

"آپ نے اُسے پہلے ہی کیوں گرفتار نہیں کر لیا" گن شاٹ نے اُس سے پُوچھا۔

"مجھے اِس کی زمین دوز لیبوریٹری کا راستہ آج ہی مل سکا ہے۔ تم جب شیلی کو اُٹھا لے گئے تھے اُس کے ردِ عمل کے نتیجے میں ڈاکٹر اِس قدر غضبناک ہو گیا تھا کہ اُس نے عدنان کی کھال اُدھیڑ دی۔ اور پھر اِسی غصّہ کے عالم میں مجھے اور شنکر کو اِس تہ خانے کے راستے سے اندر لے گیا۔ ورنہ شاید سوائے عدنان کے اور کوئی اِس خفیہ لیبوریٹری کا راستہ نہیں جانتا تھا ڈاکٹر کی مخصوص نشست گاہ میں جب وُہ سُونی ہو قدم رکھتے ہی اُسے خبر ہو جاتی ہے۔" اُس نے صاف اور شُستہ لہجے میں کہا۔

"اب کیا حکم ہے۔"

"اِن کو لیجاؤ میں اُس کو تلاش کرنے کی ایک اور کوشش کرتا ہُوں۔ ورنہ اِسے ڈائنامیٹ سے اُڑا دیا جائے گا۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔"

وُہ ابھی گن شاٹ سے یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اچانک شیلی اپنی جگہ سے اُٹھی اور دوڑ کر اُس کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"آپ کوئی بھی ہوں لیکن خدا کے لئے میرے بھائی کو بچا لیجئے۔ وُہ اِس تابُوت میں بے جان پڑا ہے۔" وُہ التجا کرنے لگی ——————

"مجھے معلوم ہے۔ تم فکر نہ کرو۔۔ میں وُہ طریقہ معلوم کر چکا ہُوں جس کے ذریعے ڈاکٹر نے اُسے زندہ کیا تھا۔۔" گنجا آدمی مُسکرا کر بولا۔۔ اور شیلی کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ موٹا آدمی عدنان اور اسکے زندہ ساتھی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال چُکا تھا۔۔

"باس۔۔ ایک عرض کروں۔" گن شاٹ گنجے کی طرف دیکھ کر بولا

"کہو۔۔" وُہ مُسکرایا۔

"اب یہ گنجا پن برداشت نہیں ہوتا۔۔" وُہ بولا۔

"اوہ۔۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی کنپٹیوں پر کانوں کے پیچھے سے باریک سی جھلّی کے سِرے اُکھاڑے اور اِس کے ساتھ اِس کا پورا گنجا سر علیحدہ ہو گیا۔ اب اِس کے سر پر مُلائم سیاہ بال چمک رہے تھے۔ پھر اُس نے کانوں کے پاس سے ہی ایک دُوسری جھلّی کے سِرے اُکھاڑنے شروع کر دیئے۔ اور ایک لمحے بعد اُن کے سامنے ایک تندرست اور خوبصورت سا آدمی اپنا ہنس مُکھ چہرہ لیے کھڑا تھا۔ جس کی کمر بھی سیدھی تھی اور جو اِس وقت کافی شاندار نظر آ رہا تھا۔۔ شیلی اُسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

"آپ کو اِس کمرے میں گڑی ہُوئی جیکی کی ہڈیاں بھی ملینگی۔۔" شیلی نے اُس سے کہا اور عدنان کو قہر آلود نظروں سے گھُورنے لگی۔

"مَیں یہ سمجھتا تھا کہ یا تو جیکی کو نکال دیا گیا ہے یا قید کر دیا گیا ہے کاش میں اُسے بچا سکتا۔"

اُس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میں اِس درندے کی ہڈیاں تک پیس ڈالوں گا۔" شنکی اچانک غضبناک ہو کر عدنان پر جھپٹا۔ عدنان گڑگڑاتا ہُوا فرش پر گر پڑا اور چیخنے لگا

"اے مقدس رُوح ۔۔ اے دیوتا ابوالہول ۔ میری مدد کو آؤ ۔ اپنے پرستار کو بچاؤ ۔۔ اے دیوتا ابوالہول کی رُوح ۔۔۔ یہ میری بوٹیاں نوچ ڈالینگے ۔۔" وہ چھت کی طرف نظریں اُٹھا کر گڑ گڑاتا رہا۔

"ابوالہول کی رُوح"

اچانک کمرے میں ایک عجیب سی پھنکار گونجی اور پھر اُنہیں ایک بھاری اور بھیانک آواز سُنائی دی۔

"ڈرو نہیں میرے بچے۔ کوئی تیرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا ۔۔۔"

آواز کے ساتھ اُنھوں نے ایک عجیب سا سایہ ہُوا میں اُبھرتے دیکھا اور پھر وُہ مکمل ہوتا گیا۔ وُہ اُس کی شکل دیکھ کر لرز اُٹھے اور وُہ تینوں سیاہ فام تو زمین پر سجدے ہی میں گر پڑے۔

"اے مقدس رُوح آخر تُو نے ظہور لے لیا۔" اُن کی آوازیں فرطِ مسرت سے لرز رہی تھیں۔ "اب دُنیا کی کوئی طاقت تیرے پرستاروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

اُنھوں نے دیکھا۔ اُنکے سامنے ڈاکٹر البصری کھڑا تھا۔ اِس کا چہرہ بڑا بھیانک ہو رہا تھا۔

"ڈاکٹر ——؟" وُہ آدمی جو گن شاٹ کا باس تھا چیخا اور پھر بے اختیار اُس نے فائر کر دیا۔ لیکن جواب میں اُسے صرف ایک بھیانک قہقہہ سُنائی دیا۔ جو ڈاکٹر البصری کے حلق سے ہی نکلا تھا۔

"ڈاکٹر تمہاری شیطنت کا انجام بہت بھیانک ہو گا ——" اُس نے ڈاکٹر کو پھر للکارا۔

"خاموش بے ادب ۔ تُم ابوالہول کی رُوح سے مخاطب ہو۔" ڈاکٹر کے مُنہ سے بھیانک آواز نکلی ——————

"ابوالہول ——" گن شاٹ کے باس نے حقارت آمیز لہجے میں دہرایا "یہ فریب جا کر اُن مصریوں کو دینا جن کا ایک طبقہ اَب بھی تُم پر ایمان رکھتا ہے ۔ یہ ہندوستان ہے ڈاکٹر ——————"

"اوہ ۔ تو تُم مُجھے میرے اصلی رُوپ میں دیکھنا چاہتے ہو۔ اچھا دیکھو" ڈاکٹر البصری نے کہا اور پھر وُہ زمین پر اپنے ہاتھ اور پیر ٹیک کر اس انداز سے بیٹھ گیا جس طرح چوپائے بیٹھتے ہیں۔ اُس کے گرد روشنی کا ایک ہالہ رقص کرنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی ہیئت تبدیل ہونا شروع ہو گئی اس کے ہاتھوں کے پنجے اور پیر ٹیڑھے ہونے لگے۔ اور اِن سے ناخون پھُوٹ آئے۔ پھر اس کا چہرہ بدلنے لگا۔ اور چند لمحوں کے بعد وُہ سب یہ دیکھ کر سکتے میں آ گئے۔ کہ واقعی اُن کے سامنے ابوالہول موجُود تھا۔ ایک زندہ ابوالہول جس کا جسم بیل کا تھا۔ پنجے شیر کے اور سر انسان کا۔ وُہ جسامت میں انسان سے کچھ بڑا تھا۔ لیکن تھا بالکل ابوالہول۔ اور اِس کے ساتھ ہی اُس کے حلق

سے ایک ڈراؤنی سی آواز نکلی اور وُہ پھولنے لگا۔ اُس کی جسامت بڑھ رہی تھی یہاں تک کہ وُہ ایک گھوڑے کے برابر نظر آنے لگا۔

"کیا اب بھی تمہیں شک ہے۔" اُس نے گن شاٹ کے پاس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ لیکن وُہ خود اتنا حیران تھا کہ اُس سے جواب نہ بن پڑا آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وُہ کوئی خواب نہ تھا ایک حقیقت تھی۔ ایک زندہ حقیقت۔ اور وہ تینوں سیاہ فام آدمی سجدے میں گرے۔ اُس کا نام رٹ رہے تھے۔

"شیلی — تم نے مجھ سے غدّاری کی ہے۔ ابوالہول کی رُوح سے۔" وُہ اب شیلی کی طرف مخاطب ہُوا اور شیلی لرزنے لگی — "تمہارا حشر بھی اِن لوگوں جیسا ہوگا۔"

"اے مقدس رُوح۔ ہم بے بس ہیں۔" اُسی وقت عدنان نے پھر سے التجا کی۔ اور پھر اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ ابوالہول کی آنکھیں اچانک چمکنے لگیں اور پھر اُن کی چمک بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اُس میں سے شرارے نکلنے لگے۔ اور اِن شراروں سے مجسّم ہو کر دو آتشیں لہریں عدنان کے ہاتھوں پر پڑیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں گل کر گر پڑیں۔ لیکن اُس کے ہاتھوں کو آنچ تک نہ آئی۔ یہی اُس کے دو ساتھیوں کے ساتھ ہُوا۔ اور وُہ دوبارہ سجدے میں گر کر اپنے مقدس دیوتا کے گُن گانے لگے۔

"تم اب واپس جا کر میرے پرستاروں کو خوش خبری دیدو۔ کہ میں واپس آ گیا ہوں۔ اور اِسی ماہ تمام کی رات کو سرزمینِ مصر پہ میرا ظہور ہوگا۔ جو میرے سامنے جُھکے گا۔ دُنیا اُس کے قدموں میں جُھکے گی۔ جو سرکشی کرے گا

تباہ ہو جائے گا۔" ابوالہول کی روح اپنے پجاریوں سے مخاطب ہوئی۔
"اے عظیم روح ہمیں سمندر پار جانا ہے۔" عدنان نے التجا کی۔
"تمہاری قوم تمہاری منتظر ہے۔ جاؤ بندرگاہ پر اپنے آدمیوں کو تلاش کرو۔" ابوالہول کی روح نے حکم دیا۔
"اور تم۔" اچانک وہ گن شاٹ کے پاس سے مخاطب ہوئی۔
"تم سب پر میرا عذاب نازل ہو گا۔" اس کا لہجہ غضبناک ہو گیا۔
دیکھتے دیکھتے اس کے آدمی اٹھے اور الٹے پیر دروازے سے نکل گئے لیکن جب گن شاٹ اور اس کے ساتھیوں نے ان کے پیچھے بڑھنا چاہا تو ابوالہول کی روح کے آنکھوں سے شعلے نکلے اور کمرے کا دروازہ جل اٹھا ان کے قدم رک گئے۔

"ابوالہول کی روح ایک عکس میں تبدیل ہوتی ہوئی ان کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اور انہیں اس آگ سے ایک عجیب سا دھواں بلند ہوتا نظر آیا۔ یہ دھواں جو دم گھونٹنے والا تھا۔

"چلو جلدی باہر بھاگو۔" گن شاٹ کے باس کہا۔ اور سب سے پہلے سوئے ساتھی نے ہی جست لگائی۔ لیکن دوسرے لمحے ہی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ ان شعلوں کی آنچ لگتے ہی اس کا سارا جسم سُن ہو گیا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اور پھر انہیں اپنے سر میں چکر اور آنکھوں میں اندھیرا ہوتا معلوم ہوا۔ اسی وقت تک ڈاکٹر بوس کے اوسان درست ہو چکے تھے۔ وہ اس دھوئیں کی بو سونگھتے ہوئے اچانک بول اٹھا۔
"یہ کاربن ڈائی آکسائڈ ہے۔ جس میں ایمونیا کا جوہر ملا ہوا ہے۔"
"پھر کیا کیا جائے۔؟"

"ہم سب بے ہوش ہو جائینگے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے دم بھی گھٹ جائیں صرف شاید ایک ترکیب کارگر ہو جائے۔" وہ سوچنے لگا ——

"جلدی کیجیے۔ میرا دم گھٹ رہا ہے ——"

"اس آگ کے مقابلے میں جوابی آگ لگا دی جائے" ——

"یعنی ——؟"

"یہ سامان جو یہاں پڑا ہے اِسے بھی اس آگ میں جھونک دیجئے" پروفیسر نے کہا۔ اس پر انھوں نے فوری عمل کیا جس سے دو قسم کے آگ کے دھوئیں اور اثر کے ٹکراؤ سے اس گیس کا بوجھ کم ہو گیا۔ جو اُن کا دم گھونٹ رہی تھی۔ لیکن دم تو اب بھی دھوئیں سے گھٹ رہا تھا۔

ٹھیک اسی وقت اُنہیں باہر کچھ دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سامنے سے ٹارچوں کی روشنی ——

وہ پانچ آدمی تھے جن میں سے دو کے ہاتھوں میں فائر فائٹنگ کے آکسیجن فلاسک تھے۔

بالآخر وہ آگ بجھانے میں کامیاب ہو گئے اور اندر کے لوگ باہر نکل آئے۔

"ہلو انسپکٹر آپ ——؟" گن شاٹ کے باس نے انسپکٹر رازی کو پہچانتے ہی کہا۔

"یس سر۔" رازی اُس کے سامنے اٹینشن ہو گیا۔

"خوب وقت پر پہنچے۔"

"انسپکٹر ——" شیلی رازی کو دیکھتے ہی اُس کی طرف دوڑی۔
"خیریت سے تو ہیں نا آپ ——"

" اگر یہ لوگ نہ آجاتے تو آج میں بھی آدم خوروں کی بھینٹ چڑھ چکی ہوتی۔"

وہ گن شاٹ اور اُس کے باس کو ممنون نگاہوں سے دیکھتے ہُوئے بولی۔

" یہ سیکرٹ سروس کے ـــــــــ" رازی نے کہنا چاہا۔ لیکن گن شاٹ کے باس کی طرف دیکھتے ہی اُس کے الفاظ بدل گئے ـــــــــ

" دراصل یہ اتفاق سے اِس چکّر میں آ پھنسے۔ ایڈونچر کے بہت شوقین ہیں" ۔ رازی بولا۔ شیلی سمجھ گئی کہ وُہ کچھ چھپا رہا ہے۔ لیکن اُسے فوراً ہی اپنے بھائی کا خیال آگیا۔

" ارے ـــــ میرا بھائی" ـــــ وُہ چونکی اور بے تحاشا اُس کمرے کی طرف بھاگی۔ جہاں تابُوت رکھا ہُوا تھا ـــ وُہ لوگ بھی اُس کے پیچھے ہو لئے تھے۔ لیکن تابُوت وہاں موجود تھا۔ شاید اسلئے کہ ڈاکٹر البصری کے خیال میں اِس کے سوا کوئی سہیل کو زندگی نہیں دے سکتا تھا۔ حالانکہ گن شاٹ کا باس اِس کا اہتمام پہلے ہی کر چکا تھا۔ اُس نے وُہ سرنج بھی چھین لیا تھا۔ اور عدنان کے عمل کے مُطابق اس سُرخ سیّال کو بھی تیار کرنے میں اُسے زیادہ دیر نہ لگی۔ ـــــــــ

مُردہ زندہ ہو گیا۔ اور تابُوت ہمیشہ کیلئے خالی ہو گیا۔ شیلی کی مسرت کا تو یہ عالم تھا۔ جیسے اُسے سارے جہان کی دولت مِل گئی ہو۔

" لیکن اُن آدم خوروں کا کیا ہوا ـــــ؟" ڈاکٹر بوس نے آخر میں رازی سے پُوچھا۔

" وُہ باہر گرفتار کئے جا چُکے ہیں ـــ میں دراصل مدھولکر صاحب کے کام میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا ـــ" رازی کے منہ سے نِکل ہی گیا۔

" مدھولکر صاحب ـــ؟" ڈاکٹر بوس نے چونک کر دوہرایا۔ اور گن شاٹ

کا باس اُسے گھورنے لگا۔

"جی۔ مدھولکر۔" رازی نے گھبرا کر دوہرایا۔ "نہیں تو۔ میں نے تو مدھوکر کہا تھا۔" اُس نے بات بنادی۔

"ہاں ہاں۔ لیکن کون صاحب ہیں یہ۔"

"یہ میرے دوست ہیں۔ یہاں ڈی ڈی پی کی ایجنسی کے ڈائرکٹر ہیں یہ ایڈونچر کے بہت شوقین۔ اور اُن کی خواہش پر ہی میں نے اِس کام میں دخل نہیں دیا۔ لیکن ایجنسی کے لئے میں اور میرے آدمی باہر سے اِس مقام کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔" رازی نے بتایا۔

"اوہ۔ میں سمجھا تھا وہ مسٹر بھولکر۔ سی آئی بی والے۔" ڈاکٹر بوس نے سادگی سے کہا۔

"کیا آپ اُن سے واقف ہیں۔"

"نہیں تو۔ مگر اُن کی شہرت ضرور سُنی ہے۔"

"خیر بھلا وہ یہاں کیوں آنے لگے۔"

"کیا آپ اَب بھی مجھے اپنا اصلی نام نہیں بتائیں گے۔" شیلی نے گن شاٹ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ پوچھا۔

"کیا یہ ضروری ہے۔؟" گن شاٹ مسکرایا۔

"آپ تو مجھ پر عاشق ہو گئے تھے نا۔ پھر مجھ سے کیوں جھوٹ۔"

شیلی نے کہنا چاہا۔ مگر موٹا ساتھی بیچ میں ٹپک پڑا۔

"میڈم یہ اِن کا اکتالیسواں عشق ہے دراصل یہ ابھی طرف عشق کر رہے ہیں۔ عشق نہیں۔" موٹے آدمی نے دخل دے کر کہا۔

"جی ہاں۔ اور یہ تجربہ کار ہیں۔ کئی بار جوتے کھا چکے ہیں" گن شاٹ

نے مُسکرا کر جواب دیا۔

"پھر بھی نام تو بتا ہی دیجیے اپنا۔" وہ اِصرار کرنے لگی۔
"گن شاٹ۔"

"پھر وہی۔"

"نوراے راجرز۔"
"مگر میں گورنر کی بیٹی نہیں ہوں۔"
"میں فرض کیے لیتا ہوں۔"
"بھئی یہ بحث کیا ہے۔" گن شاٹ کے باس نے اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہُوئے کہا۔

"اِن کے نام کچھ عجیب سے ہیں۔ اصل نام پُوچھ رہی تھی۔" وہ سادگی سے بولی۔

"اوہ۔۔۔ میں بتا دُوں اس کا نام۔" اُس نے کہنا چاہا۔
"باس۔۔۔ پلیز۔" گن شاٹ نے التجا کی۔
"اچھا پھر کبھی پُوچھ لیجیے گا۔ اَب تو آپ غالباً ہندوستان میں ہی رہیں گی" اِس کا باس بولا۔

"لیکن مجھے ڈاکٹر البصری کا خوف ہے وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ممکن ہے وہ ابھی یہیں کہیں ہو۔ اور ہماری نظروں سے رُوپوش ہو۔" وہ پریشان ہو کر بولی۔

"میں نے مصر سے اِن کا پُورا ریکارڈ حاصل کر لیا ہے۔ مصر میں ابوالہول کی پرستش کرنے والا جو خفیہ طبقہ ہے وہ اس کی واپسی کا انتظار کر رہا ہے اور ڈاکٹر جلد از جلد مصر پہنچے گا۔ دراصل تبدیلئ ہیئت کا یہ فارمولا اُسے جرمن

سائنٹسٹ البرٹ نے اپنے وصیت نامہ میں بتایا تھا۔ وہی اسے ابو الہول پرستوں کی خفیہ بستی سے جہاں وہ ایک ریسرچ کے سلسلے میں گیا تھا لے آیا تھا۔ کیونکہ یہ لڑکا اسے بڑا ذہین اور چالاک معلوم ہوا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں ہی اسے ابو الہول کی زندہ سیٹ میں تبدیل کر کے اس کے ذریعے اس فرقے پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک دولتمند ترین فرقہ ہے۔ لیکن اس کی یہ خواہش اس کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ اسلئے وہ ڈاکٹر البصری پر اس کی اصلیت کا انکشاف کر کے وصیت نامے میں وہ فارمولا چھوڑ گیا تھا جسکے ایک اہم جوہر کے حصول کے لئے ڈاکٹر کو یہاں آنا پڑا تھا۔ اب وہ مصر پہنچ کر اس خفیہ فرقے کا خدا بن جائے گا۔" گن شاٹ کے باس نے بتایا۔

"ایسا کبھی نہ ہوگا ۔۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" اچانک ڈاکٹر بوس بول اٹھا۔ اور وہ سب چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔ ان کی نظروں میں ایک سوال تھا۔

"میں نے اس جوہر کا سیال تیار کرتے ہوئے اس میں کلورک الیڈ شامل کر دیا تھا۔ جسکی وجہ سے اس کا اثر عارضی ہوگا۔ اور غالباً مصر پہنچنے سے پہلے ہی ڈاکٹر البصری کی موت واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کے اثر کے زائل ہوتے ہی اس کی رگوں میں خون جم جائے گا۔" ڈاکٹر بوس نے ان کے سوال کا جواب دیا۔

"بڑا شاندار کام کیا ہے آپ نے ڈاکٹر۔" رازی کے منہ سے نکلا۔

"پھر بھی جوہر کے ضائع ہو جانے کا غم مجھے زندگی بھر رہے گا۔" ڈاکٹر بوس نے اداس ہو کر کہا۔ "میں اپنی پیشانی سے یہ داغ کبھی نہ مٹا سکوں گا۔"

"سوائے میرے کوئی نہیں جانتا کہ آپ نے البصری سے اس کے

بارے میں بتایا تھا۔ اور میں آپ کی عزّت پر حرف نہ آنے دوں گا۔"
رازی نے اُس کی طرف جھک کر سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

اچانک گن شاٹ کا باس اپنی ناک سکوڑنے لگا۔

"مجھے کہیں بارود کے جلنے کی بُو آرہی ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"ارے بھاگو یہاں سے۔" گن شاٹ زور سے چیخا۔ اور وہ سب بے تحاشا باہر کی طرف بھاگے۔

باہر رازی کا اسٹاف موجود تھا اور وہ تینوں حبشی اُس کی گرفت میں تھے۔ رازی کے اشارے پر وہ بھی بھاگنے لگے۔ لیکن ابھی وہ سڑک پر ہی پہنچے تھے کہ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ اس عمارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور ملبہ گرنے کی آواز دیر تک آتی رہی۔ یہ دھماکا ڈاکٹر البصری کی لیبوریٹری میں ہوا تھا۔

رازی شیلی شنکر اور تینوں قیدیوں کو پولیس ہیڈکوارٹرز کی عمارت کے باہر ہی چھوڑ کر گن شاٹ اسکا باس اور موٹا ساتھی ایسے غائب ہوئے کہ پھر اُن کا پتہ نہ چلا۔ مگر شیلی کو یہی جاننے کی فکر تھی کہ وہ گئے کہاں۔ اور جب رازی نے اُسے بتایا کہ وہ "ابوالہول کی رُوح سے کم نہیں ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کہاں ملیں گے۔" تو وہ خاموش سی ہو گئی۔

"کیوں کیا کوئی خاص بات ہے؟" رازی نے اُسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"میرے ذہن میں ایک سوال ابھی تک اٹکا ہُوا ہے ۔ میں وُہ پُوچھنا چاہتی تھی ۔" وُہ بولی ۔

"شاید میں جواب دے سکوُں ـــــــــ"

"یہی کہ وہ مجھے ہوٹل ڈی فریکا سے اُٹھا کر کیوں لیگئے تھے اور ایک گھنٹہ تک قید کیوں رکھا تھا۔"

"ابھی وُہ اسی قسم کے مسخرے پن کرتے پھرتے ہیں ایڈونچرسٹ جو ٹھہرے۔"

"دراصل انکا مقصد یہ رہا ہوگا کہ آپ جتنی دیر گول رہیں اُتنی دیر میں انکا باس ڈاکٹر البصری کی رہائش گاہ کی پُوری پُوری تلاشی لے ڈالے۔ انہیں یہ بھی توقع تھی کہ اسطرح آپکی تلاش میں عدنان بھی بھٹکتا پھریگا۔ حالانکہ وہ کمبخت سیدھا ڈاکٹر کے پاس ہی پہنچا ـــــــــ"

تب تو واقعی بڑے دلچسپ آدمی تھے۔ مگر وُہ ڈی فریکا کا جیک پاٹ کیسا ہُوا ۔؟"

"مجھے آج ۔ ی ڈی فریکا کے مینجر نے بتایا کہ جیک پاٹ جن دو نوجوانوں نے جیتا ۔ وُہ رائے راجرز اور ٹونٹو کے بھیس میں تھے ۔ ـــــــــ"

"ہاں ہاں وُہی ۔" وُہ جلدی سے بولی ۔

"اور وُہ پانچہزار کی رقم مینجر کے پاس ہی چھوڑ گئے ہیں تاکہ سلیکسیکڈ کے گورنر کی بیٹی کو یعنی آپ کو دے دی جائے گی ـــــــــ"

"کاش میں اُن سے ایک بار اور مل سکتی ـــــــــ"

"گھبرایئے نہیں ۔ کہیں نہ کہیں مڈبھیڑ ہو ہی جائے گی ۔ ویسے ایک خوشخبری اللہ سُناؤں آپ کو ۔ ـــــــــ"

"فرمایئے ـــــــــ"

"وُہ یہ کہ پولیس کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں ۔ آپ کو شاہی گواہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے ۔ اور اب آپ اگر چاہیں تو سہیل سمیت ڈی فریکا

میں نوکری کر سکتی ہیں۔"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے۔" وہ خوشی سے چمکتی نظریں اُسکے چہرے پر گاڑ کر بولی۔

"یہ میرا ذمہ۔ بلکہ منیجر نے تو اس تجویز کا خیر مقدم بھی کیا ہے۔"

"اوہ۔ کتنے اچھے ہیں آپ۔" اُس نے فرط ممنونیت سے رازی کے ہاتھ تھام لئے۔

"یہ میرا فرض بھی ہے کہ آپ کی مدد کروں۔ فرمایئے۔ کرینگی نا یہ نوکری۔"

"ایک شرط پر۔" وہ مُسکرائی۔

"کہہ ڈالیئے۔" رازی بھی ہنسنے لگا۔

"آپ روز وہاں آیا کرینگے۔"

"روز تو نہیں البتہ کبھی کبھی۔" وہ مُسکرایا۔ مگر اس سے پہلے کہ شیلی اُداس ہو وہ جلدی سے بول پڑا۔ "اور وہ بھی صرف آپ کے لئے۔"

شیلی کی آنکھیں پھر خوشی سے چمک اُٹھیں۔

اس وقت انسپکٹر ڈیسوزا اندر آ پہنچا اور شیلی خاموش رہ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ کیس کیسے لے سکتا ہوں۔" انسپکٹر ڈیسوزا نے آتے ہی کہا

"آپ اس عمارت میں عدنان کے کمرے کے کھنڈر سے اب بھی جیکی کی ہڈیاں اور سر برآمد کر سکتے ہیں۔ بس اسی الزام میں ان تینوں آدم خور حبشیوں کو لے ڈالئے کیس بن جائے گا۔ رہا ڈاکٹر البصری کا معاملہ تو وہ میرے محکمہ کے لئے رہنے دیجئے۔ اس لئے کہ اس جوہر کی چوری کو اب راز میں ہی رکھا جائے گا۔" رازی نے اُس سے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ڈیسوزا نے سر ہلایا۔ "لیکن سیکرٹ سروس۔"

"اوہ ۔ اُنھوں نے اسے خارجی سازش کا کیس سمجھ کر اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ مگر اِس کی نوعیت کے انکشاف کے بعد ہم پر چھوڑ کر چلے گئے"۔ رازی نے بتایا۔

"عجیب ہیں یہ لوگ بھی"۔ ڈیسوزا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"عجیب بھی اور ایڈوینچرسٹ بھی ــــــــ"

"یہ آپ کن کا ذکر کر رہے ہیں"۔ شیلی بیچ میں پوچھ بیٹھی۔

"کچھ نہیں۔ انسانیت کے چند خادموں کا ذکر ہے"۔ رازی مسکرایا اور ڈیسوزا بھی مسکرا دیا۔ پھر شیلی بھی کچھ نہ سمجھ کر مسکرا دی۔

ختم شُد

اکرم الہ آبادی

16.10.59

دستکاری۔ ڈاکٹری۔ طبی و مختلف ہنروں کی بے نظیر اردو کتابیں

مشورہ بکڈپو کی بڑے سائز $\frac{20\times30}{16}$ پر چھپی ہوئی کتابیں

انگریزی ہندی بولنا سکھانے والی کتابیں

اردو سے انگریزی خط وکتابت	4/-
اردو انگریزی گرامر	4/-
(سافٹ) انگریزی بولنا سیکھو	4/-
اردو انگلش ٹیچر	4/-
سات روپے میں میٹرک پاس	7/-
اردو ہندی ٹیچر	3/-

ایلوپیتھک ڈاکٹری کتب (اردو میں)

ایلوپیتھک پریکٹس آف میڈیسن	7/50
ایلوپیتھک میٹریا میڈیکا	7/50
ایلوپیتھک انجکشن بک	7/75
ایلوپیتھک کمپونڈر گائیڈ	7/50
آئی ڈاکٹر	4/-
بلڈ پریشر	3/25
ایلوپیتھک مائنر سرجری	6/-

ایلوپیتھک میڈیکل ڈکشنری	4/50
دندان سازی	5/-
پیٹنٹ ادویات	4/-
سلفا ڈرگز	3/25
وٹامن گائیڈ	4/-
اسٹیتھسکوپ گائیڈ	3/-
پینی سی لین گائیڈ	4/25
بخار و تھرمامیٹر	2/75
ایلوپیتھک لیڈی ڈاکٹر	5/75

علم موسیقی کی کتابیں

ہارمونیم گائیڈ	4/-
بینجو عرف جاپانی باجہ بجانا	3/-
بانسری گائیڈ	3/-
وائلن گائیڈ	3/-

(ہر کتاب کا محصول ڈاک الگ ہوگا)

منگانے کا پتہ: مشورہ بکڈپو۔ رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس 1639۔ دہلی 6

